کا ذکر ہے۔ دوسرا باب اولاد و احفاد کے تذکرہ کے لیے مخصوص ہے۔ اس میں پہلے حضرت خیالی کے بڑے فرزند مولانا حکیم سید عبدالحی اور ان کی اولاد کو ر ڈاکٹر سید عبدالعلی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی اور اولاد اناث اور ان سب کی اولاد و احفاد کے مختصر حالات اور علمی خدمات پیش کئے ہیں، پھر حضرت خیالی کے دوسرے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کا تذکرہ ہے، تیسرے باب میں حکیم فخرالدین خیالی کی عربی، فارسی، بھاکا اور اردو کی منظوم و نثری تصنیفات کا تعارف درج ہے، اور مہرجہاں تاب کی خصوصیات اور اس میں تحریر کئے گئے متنوع معلومات نقل کئے گئے ہیں، چوتھے باب میں خیالی کی فارسی شاعری اور پانچویں میں اردو شاعری پر بحث و گفتگو کی گئی ہے، چھٹے باب میں اردو ادب میں ان کا درجہ متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور ساتویں باب میں مہرجہاں تاب کا وہ حصہ دیا گیا ہے جس میں ریختہ گویان ہند کا تذکرہ ہے، اس کے شروع میں تذکرہ کی نوعیت و اہمیت، مآخذ اور دوسرے تذکروں سے تقابل کے علاوہ اس کی بعض خامیوں کی نشاندہی کی ہے، اس کے بعد مہرجہاں تاب ۸۵ شعراء کا حال نقل کیا گیا ہے۔ حواشی میں دوسرے تذکروں کی مدد سے ان شعراء کے بارہ میں بعض مفید معلومات کا اضافہ بھی کیا ہے۔ جو اس تذکرہ میں موجود نہ تھے۔ اسی طرح خیالی نے جو اشعار نمونۂ نقل کئے تھے۔ ان میں اگر دوسرے تذکروں یا شعراء کے اصل دواوین سے کچھ فرق و اختلاف ہے۔ تو اس کی بھی صراحت کی گئی ہے۔ اس تحقیقی مقالہ پر مصنف مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مگر جیسا کہ انھوں نے خود تحریر کیا ہے کہ یہ کتاب عجلت میں چھپی اور وہ نظر ثانی کے لئے وقت نکال نہ سکے۔ اس لئے طباعتی اغلاط کے علاوہ بعض اور خامیوں سے بھی اس میں کمی رہ گئی ہے۔ جن کو دوسرے ایڈیشن میں درست کرنے کی ضرورت ہے۔ شروع میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کا عالمانہ مقدمہ لائق مطالعہ ہے۔

"ض"

جلد ۱۳۹ ماہ شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۸۷ء عدد ۴

مضامین

شذرات

آج کل ہمارے وطن میں اخبارات اور رہنماؤں کے بیانات کے ذریعہ اسکی پرزور ترویج ہو رہی ہے کہ مذہب اور سیاست دونوں کو خلط ملط نہ کیا جائے۔ دونوں کے دائرے الگ الگ رہیں۔

یہ نعرہ نیا نہیں ہے، اس سے بہت پہلے یورپ میں بلند ہوا تھا، وہاں دین اور دنیا کو الگ الگ خانوں میں رکھا گیا۔ خدا کا حکم الگ اور قیصر کا حکم الگ ٹھہرایا گیا، دنیا کے حصول کا الگ راستہ متعین کیا گیا، اور دین کے حصول کا الگ، اس سلسلہ میں بنیاد پرست اور بنیاد پرستی کی ایک نئی اصطلاح وضع کی گئی ہے، مذہب کا جو سچا، اچھا، وفادار اور باوقار پیرو ہوتا ہے اسکو بنیاد پرست کہا جاتا ہے، اور اسکی راسخ العقیدگی بنیاد پرستی پر محمول کی جاتی ہے۔ بنیاد پرست اور بنیاد پرستی کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے جیسے جذام اور کینسر کا کیا جاتا ہو، یورپ اور امریکہ کے سیاست داں جب کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو خاص خاص اصطلاحات وضع کر لیتے ہیں، انہی کی آڑ میں فساد اور انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ہندوستان کی جنگ آزادی کے زمانے میں بھی یہ نعرہ بلند ہوا تھا، مگر مولانا محمد علی جوہر نے اس کا جواب اپنے مخصوص رنگ میں اس طرح دیا تھا کہ ان کے معاصر سیاسی حریف کچھ دنوں کے لیے خاموش ہو گئے تھے۔

مولانا محمد علی جوہر نے ۱۶، ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۵ء کے اپنے اخبار ہمدرد میں لکھا تھا کہ ہندوستان کبھی رشیوں اور ولیوں کا مسکن تھا، مگر یہاں کے بعض لوگ اب کہنے لگے ہیں کہ مذہب کو سیاست سے الگ رکھو، ان ہی میں بپن چندر پال ہیں جنھوں نے کلکتہ کے اخبار "انگلش مین" میں اسی کے لیے مضمون لکھا ہے، یہ صاحب انڈیپنڈنٹ کہے جاتے ہیں، یہی بات لالہ لاجپت رائے فرماتے ہیں، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مذہب داتون یا مسواک کے جیسا ہو جائے تاکہ ایک دوسرے کے داتون یا مسواک کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں رہے، مذہب ایک نجی اور خانگی چیز ہو جائے، اور پبلک معاملات سے اسکو کوئی سروکار نہ رہے، لیکن یہی لوگ ہیں جو اپنے مذہب کے عقیدے کی بنیاد پر مسلمانوں کو انکی گائے ذبح کرنے سے بھی روکنا چاہتے ہیں، مذہب تو ساری زندگی کی تفصیل ہے، اور زندگی کے ہر شعبہ سے اسکو تعلق ہے، انگلستان کے کرنل ویجوڈ نے مجھے وہاں کے پارلیمنٹ میں مدعو کیا تھا، ہم چائے پی رہے تھے، تو انھوں نے فرمایا بھائی تمھارا جو جی چاہے کرو، مگر اپنے مذہب کو ہمارے پارلیمنٹ میں نہ [illegible]، میں نے کہا کہ میرا مذہب آپ کی پارلیمنٹ تو پارلیمنٹ، آپ کے جیلوں اور شراب خانوں تک جائیگا تو وہاں کی گندگیوں کو دور کرے گا۔

۱۹۲۶ء کے وسط میں پنڈت موتی لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد نے مل کر انڈین نیشنل یونین نام کی ایک مجلس قائم کی جس کا یہ مسلک قرار پایا کہ اس کا جو رکن ہوگا، وہ کسی فرقہ وارانہ نظام کا ممبر نہ ہو سکے گا، مولانا محمد علی جوہر نے [illegible] ۱۹۲۶ء کے ہمدرد میں ایک طویل تحریر لکھی، جس کا ایک ٹکڑا یہ بھی تھا، کہ اٹلی کے مشہور شاعر دانتے اور انگلستان کے

عظیم شاعر ملٹن نے دوزخ کی جو تصویر کھینچی تھی۔ اس کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ اس کے دروازہ پر یہ کندہ تھا کہ جو شخص اسمیں داخل ہو وہ امید کو باہر چھوڑ آئے، پنڈت موتی لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد نے بظاہر ایک نئی جہنم بنانی چاہی ہے۔ جس کے دروازہ پر یہ کندہ ہوگا۔ کہ جو اس میں داخل ہو وہ مذہب و ملت کو باہر چھوڑ آئے۔

اسی زمانے میں لارڈ ارون وائسرائے نے مرکزی قانونی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے اسی قسم کی تلقین کی۔ مولانا محمد علی جوہر نے ان کو لکھ بھیجا کہ یہ تقریر کر کے آپ نے سخت غلطی کی۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ مذہب سیاست میں مداخلت بے جا کا مرتکب ہوتا ہے، بلکہ سیاست ہی مذہب میں مداخلت بے جا کرتی ہے۔

یورپ اور امریکہ کے سیاست دانوں کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے مذہب اور سیاست کو علٰحدہ کر رکھا ہے، مگر کیا ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے؟ یہودیت سے تو امریکہ کی عیسائیت دب کر رہ گئی ہے، مشرق وسطیٰ میں تو اسرائیل نے یہودیت ہی کے نام پر فلسطینیوں اور عربوں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے، جس کا ساتھ عیسائیت دے رہی ہے، تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیا جائے کہ یورپ اور امریکہ کی سیاست میں مذہب مداخلت نہیں کرتا۔ لیکن کیا اس عدم مداخلت سے انسانوں کی خونریزی اور ان کی آبادی کی غارتگری رک گئی ہے، پہلی جنگ عظیم میں یورپ کی جو بربادی ہوئی اسکی تصویر خود انگریز مورخوں نے اس طرح کھینچی ہے کہ صرف فرانس کے تیرہ لاکھ چونسٹھ ہزار آدمی مارے گئے، سات لاکھ چالیس ہزار آدمی جسمانی حیثیت سے بیکار ہو گئے۔ پانچ لاکھ جرمنوں کے ہاتھوں قید ہوئے۔ اور جب وہ اپنے گھروں کو واپس ہوئے تو وہ بیمار تھے یا اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ کسی کام کے نہیں رہ گئے تھے، جو سپاہی ہلاک ہوئے ان میں ستاون فی صدی وہ تھے، جن کی عمریں اٹھارہ سے بیس سال کی تھیں۔ مشہور مورخ ایچ جی ویلس نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں ایک کروڑ آدمی تو میدان جنگ میں مارے گئے۔ دو کروڑ کی جانیں زمانے کے مصائب میں تلف ہوئیں، تین کروڑ طرح طرح کی مصیبتوں میں گھرے اور اچھی غذاؤں سے محروم رہے۔

دوسری جنگ عظیم میں روسیوں کے تیس لاکھ سپاہی جرمن حملہ آوروں کے اسلحہ سے ہلاک ہوئے۔ ان کے ملک کے اکہتر لاکھ مربع میل کے علاقے بالکل تباہ کر دیے گئے، اس جنگ میں برطانیہ کے چھ لاکھ سپاہی مارے گئے۔ اور یہاں کے چالیس لاکھ مقامات برباد ہوئے، فرانس کو چھبیس ملین ڈالر کا نقصان پہونچا۔ یہاں کے پانچ لاکھ گھر تہس نہس ہو گئے، اور ساڑھے سات لاکھ خاندان بے گھر ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس جنگ کے زمانے میں پورے یورپ میں ایک کروڑ سے زیادہ سپاہی موت کے گھاٹ اترے، دو کروڑ سے زیادہ

شہری ہلاک ہوئے چار سو ملین ڈالر کی املاک تباہ ہوئیں بھر اخوت، مساوات اور جمہوریت کے علمبردار امریکن عیسائیوں نے جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی میں ایٹم بم گرا کر ان کے لاکھوں مردوں، عورتوں اور بوڑھوں اور بچوں کو چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتار دیئے۔

اور ابھی کچھ دن پہلے ویٹ نام میں امریکیوں نے تیس سال تک جنگ کی، لندن کے اخبار ٹائمس میں چھپا کہ اس مدت میں امریکی فضائیہ نے اٹھارہ لاکھ ننانوے ہزار چھ سو اڑسٹھ حملے کئے، سرسٹھ لاکھ ستائیس ہزار چھیاسی ٹن بم گرائے، وہاں کے نباتات کو تباہ کرنے کیلئے ایک کروڑ نوے لاکھ گیلن کے تباہ کن مادے پھینکے، ۵۰ لاکھ ایکڑ زمین پر زہریلی دوائیں چھڑکی گئیں، ایک کروڑ افراد بے گھر ہوئے، ان کے بچے یتیم ہوئے، پندرہ لاکھ ساٹھ ہزار شہری مجروح ہوئے، چھتیس لاکھ باسٹھ ہزار آدمی مارے گئے۔

کیا یہ ساری ہولناکی، خونریزی اور غارت گری مذہب کی وجہ سے ہوئی، پھر یہ کہنا کیا صحیح نہ ہوگا کہ مذہب نہیں بلکہ سیاست ہی آپس میں بیر رکھنا سکھاتی ہے، ہاں سیاست مردان خدا کے ہاتھ میں ہو تو پھر نہ سیاست کو مذہب اور نہ مذہب کو سیاست سے خطرہ ہو۔

وہی ہے بندہ حر جس کی ضرب ہے کاری

نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری

علامہ محمد اقبالؒ کا یہ پیام بھی دعوت فکر دیتا ہے۔

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں

سو بار ہوئی ہے حضرت انساں کی قبا چاک

تاریخ امم کا یہ پیام ازلی ہے

صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک

اس سیل سبک سیر و زمیں گیر کے آگے

عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک

لا دیں ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر

ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

مقالات

شرکت و مضاربت اور مستشرق یوڈووِتش

از

ڈاکٹر محمد انس زرقا استاد ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ

مترجمہ

محمد عارف اعظمی عمری

(۲)

یوڈووِتش کی اس کتاب کی بعض خوبیاں

یوڈووِتش کی یہ کتاب جس کی تلخیص گزشتہ اشاعت میں پیش کی گئی ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد قارئین کو یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ کتاب چند اہم خوبیوں کی حامل ہے، اس میں دقت نظر و باریک بینی اور گہرائی سے کام لے کر صحیح شرعی احکام نقل کئے گئے ہیں، علاوہ ازیں اس کی عبارت چست اور زبان سلیس و شگفتہ ہے، نیز اس میں معیشت و اقتصاد کے شرعی احکام کی حکمتوں و مصلحتوں کا ذکر بھی ہے۔ میرے خیال میں اس کتاب کی سب سے اہم خوبی یہی ہے۔ کہ اس میں جا بجا فقہی احکام و مسائل کو اقتصادی حیثیت سے بھی مبنی بر حکمت بتایا گیا ہے، جب کہ موجودہ زمانہ میں فقہ کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابیں بالعموم اس کے ذکر سے خالی ہوتی ہیں، اسلام میں تجارتی ضمانت منفی مضاربت کا جواز، مضاربت کی اہمیت اور اس کے فوائد، مضارب کے اختیارات اور غیر ملکی یا دور دراز کی تجارت میں مضاربت کی حکمتوں کو اس کتاب میں نمایاں طور پر ثابت کیا گیا ہے۔

اس میں فقہ کی کتابوں سے بکثرت طویل اقتباسات بھی نقل کئے گئے ہیں، اور ان کا انگریزی ترجمہ بھی بہت صاف اور واضح کیا گیا ہے۔ جس میں غلطیاں بہت کم ہیں۔[1]

کتاب کے بعض نقائص گو یوڈووتش کی اس کتاب میں فقہی احکام و مسائل بڑی باریک بینی اور عرق ریزی سے بیان کئے گئے ہیں، اور ان مسائل کے اقتصادی فوائد بھی ذکر کر دئے گئے ہیں۔ تاہم بعض مسائل کی تشریح اور ان کی وضاحت میں غلط بیانی سے بھی کام لیا گیا ہے، ذیل میں اس کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

فقہ کی نشو و نما پر سنت نبویؐ کا اثر فقرہ ۲ کے ذیل میں یوڈووتش کی یہ رائے نقل کی جا چکی ہے۔ کہ

"عباسی دور تک فقہ ترقی پذیر اور متحرک رہی، لیکن اس کے بعد وہ جامد و ساکن ہو گئی، اس جمود اور تعطل کی وجہ یہ ہوئی کہ اس عہد میں فقہ پر سنت نبویؐ کو غلبہ حاصل ہو گیا۔"

اس کتاب میں متعدد جگہوں پر ضمناً بھی یہ بات دہرائی گئی ہے، مگر پھر بھی اس قسم کی غلط بیانیاں اور دل آزاری کی باتیں بہت کم ہیں، یوڈووتش کی مذکورہ بالا عبارت نیز اسی نوعیت کی بعض دوسری

---

[1] اس کتاب میں ص ۲۰ پر امام سرخسی کی المبسوط میں مذکور ایک لفظ "حرج" یعنی مشقت کا ترجمہ offence کیا گیا ہے، لیکن اس کا مطلب مخالفت ہوتا ہے، جو درست نہیں، صحیح ترجمہ Hardship ہوگا۔ اسی طرح المبسوط ہی میں ایک لفظ "متاع" درج ہے، اس سے امام سرخسی نے صنعت و حرفت کے آلات مراد لیے ہیں، لیکن اس کا ترجمہ Merchandise کیا گیا ہے، جب کہ اس کا صحیح ترجمہ Tools ہوگا۔ اس کے علاوہ ص ۲۱۸ پر درج ایک لفظ "غبن یسیر" کا ترجمہ Slight Deception یعنی ہلکا دھوکہ کیا گیا ہے، یہی غلطی جوزف شاخت نے بھی اپنی کتاب An Introduction of Islamic law (ص ۱۱۱، ۲۹۸) میں کی ہے، فقہ کی اصطلاح میں "غبن یسیر" غبن کے معروف معنی میں استعمال نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ بازار کے نرخ سے زیادہ پر بائع اور مشتری کے متفق ہو جانے کو کہتے ہیں، اس لیے اس کا صحیح ترجمہ Overcharging یا Overpricing ہوگا۔

عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ سنت نبویؐ کی تدوین سے پہلے فقہاء صرف عملی زندگی کی ضرورتوں کے لحاظ سے احکام و مسائل کی وضاحت کیا کرتے تھے، اسی بنا پر کہیں کہیں انھوں نے شرعی نصوص و روایات کی پابندی نہیں کی ہے، لیکن سنت نبویؐ کی تدوین کے بعد وہ نصوص کے مقید ہو کر رہ گئے اور اس طرح فقہ کا ارتقاء رک گیا۔

یوڈووتش کے مذکورہ بالا خیال پر تبصرہ کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ انکی کتاب کے اصل موضوع شرکت و مضاربت پر پہلے گفتگو کی جائے، اور اس سلسلہ میں فقہ حنفی اور فقہ حنبلی کے درمیان موازنہ کیا جائے۔ اس سے یوڈووتش کے اس دعوی کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی کیونکہ اول الذکر انکا پسندیدہ مسلک ہے، اسکی وسعت و فراخی، اس کے فقہاء کے نرم اور لچک دار رویے اور اس میں استحسان اور حیلہ شرعی کے استعمال وغیرہ ایسی باتیں ہیں، جو ان کی نگاہ میں اس مسلک کی اہم خوبیاں ہیں، اس کے برخلاف حنبلی مسلک فقہ اور سنت نبویؐ دونوں کا جامع ہے۔ اور یہ بات ماننے میں کسی کو تامل نہ ہوگا۔ کہ امام احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ) فقہ کے علاوہ سنت نبویؐ کے بھی امام تھے، اور وہ سنت نبویؐ کی واقفیت میں تمام ائمہ کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت رکھتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے عہد میں سنت نبویؐ کی تدوین مکمل ہو چکی تھی، چنانچہ ان کو وہ روایتیں بھی ملیں جو ان سے پہلے کے بزرگوں کو نہ مل سکی تھیں۔

پہلے ہم چند ایسے مسائل کا ذکر کریں گے جو احناف اور حنابلہ دونوں کے یہاں متفقہ طور پر جائز اور درست ہیں، پھر ایسے مسائل کا تذکرہ ہوگا۔ جن کے بارے میں انکا اختلاف ہے، اور آخر میں اس موازنہ کے نتیجہ کی روشنی میں یوڈووتش کے مذکورہ بالا خیال کا جائزہ لیا جائے گا۔

۱۔ احناف اور حنابلہ دونوں شرکت ابدان کو جائز قرار دیتے ہیں، خواہ شرکاء کے پیشے الگ الگ ہی کیوں نہ ہوں۔ البتہ مالکیہ کے نزدیک جواز کے لیے یہ شرط ضروری ہے۔ کہ شرکاء کا پیشہ ایک ہی ہو۔ لیکن شوافع کے نزدیک یہ شرکت کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے۔[1]

---

[1] المغنی۔ ج ۴ ص ۵ اور المبسوط ج ۱۱ ص ۱۵۵

۲۔ دونوں مسلکوں میں شرکت وجوہ کا جواز پایا جاتا ہے، جب کہ مالکیہ اور شوافع اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں۔[1]

۳۔ اسی طرح ان دونوں مسلکوں میں مسلمان کو اجازت دی گئی ہے، کہ وہ نصرانی یا یہودی سے مضاربت پر کاروبار کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ عامل وہی ہو۔ کیونکہ غیر مسلم سے معاملات میں شرعی قیود و ضوابط کی پابندی کی توقع نہیں کی جا سکتی، مالکیہ بھی اس نوعیت کو جائز قرار دیتے لیکن شوافع کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔[2]

۴۔ حنبلی مسلک کی رو سے کسی صنعت کے ماہر اور خام اشیاء کے مالک کے درمیان بھی شرکت کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی درزی کو اس شرط پر کپڑا دے کہ وہ سل کر اسے فروخت کر دے۔ اور اس کا نفع دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک یہ شرکت جائز نہیں ہے لیکن امام سرخسی کی تصریح کے مطابق احناف کے نزدیک اسی نوعیت کی ایک شرکت جائز قرار پاتی ہے۔[3]

---

[1] المغنی۔ جلد ۵۔ صفحہ ۱۱ بدایۃ المجتہد۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۵۲

[2] یوڈوتس نے خود یہ مسئلہ امام سحنون کی المدونۃ (جلد ۱۲ ص ۱۰۰) کے حوالہ سے اپنی اسی کتاب میں (ص ۲۲۹) پر نقل کیا ہے۔ امام سرخسی نے بھی المبسوط (ج ۲۲ ص ۱۲۵) میں اور ابن قدامہ نے المغنی (ج ۵ ص ۳) میں یہ مسئلہ درج کیا ہے، امام شافعی کے نزدیک اس کاروبار کے مکروہ ہونے کی بات ابن قدامہ نے لکھی ہے، لیکن مطیعی نے تکملۃ المجموع (ج ۱۳ ص ۵۵ و ۸۰) یہ وضاحت کر دی ہے کہ شوافع کے نزدیک بھی اس صورت میں کراہت باقی نہیں رہتی جب کہ خرید و فروخت مسلم سے ہو یا اسکی موجودگی میں ہو اس طور پر جمہور کے نزدیک مسلم کی اہل کتاب کے ساتھ کاروبار کرنے کی اجازت ملتی ہے، بشرطیکہ عامل مسلم ہی ہو۔

[3] یوڈوتش اسی کتاب میں احناف کے نزدیک اس شرکت کے جواز کو امام سرخسی کی المبسوط (ج ۲۲ ص ۵۴) کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ہماری تلخیص کا فقرہ ۱۷۔ البتہ اس شرکت کا نام اس نے "صنعتی مضاربت" رکھا ہے لیکن ہمارے خیال میں اس شرکت کا یہی نام یعنی کسی صنعت کے ماہر اور خام اشیاء کے مالک کے درمیان شرکت ہی صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو مجلۃ الحنبلی ج ۱ ص ۲۹۲۔

۵۔ امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ دونوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نفع کا استحقاق مندرجہ ذیل تین باتوں میں سے کسی بھی ایک وجہ سے ہوگا۔ (۱) مال (۲) عمل (۳) ضمانت۔ جب کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نیز حنفی فقہا میں امام زفرؒ اس استحقاق کے لیے ضمانت کو بنیاد بنائے جانے کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔[1]

۶۔ اسی طرح ان دونوں حضرات کے یہاں مضاربت کے ساتھ ہی ساتھ شرکت کا بھی معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ یعنی صاحب سرمایہ اور مضارب دونوں سرمایہ لگائیں، اور محنت تنہا مضارب کرے، البتہ اس شرط کے ساتھ کہ نفع میں دونوں شریک مساویانہ حقدار نہ ہوں گے۔ اس مسئلہ میں امام مالکؒ کا مسلک ان سے مختلف ہے۔[2]

۷۔ اسی طرح یہ دونوں حضرات اس امر پر بھی متفق ہیں کہ اگر مضاربت کا معاملہ کسی متعین مدت تک کے لیے کیا گیا ہو تو مدت پوری ہو جانے کے بعد یہ معاملہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا مسلک ان سے مختلف ہے۔[3]

۸۔ حنفی اور حنبلی دونوں ہی مسلک کی رو سے شرکت عنان میں شرکین کا نفع ان کے سرمایوں کے برابر ہونے کے باوجود بھی کم و بیش تقسیم کیا جا سکتا ہے، اسی طرح سرمایوں کے برابر نہ ہونے کی صورت میں بھی نفع کی تقسیم مساویانہ ہو سکتی ہے، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت درست نہیں ہے، بلکہ نفع کی تقسیم سرمایہ ہی کے لحاظ سے ہوگی۔[4]

---

[1] الشرکات فی الشریعۃ والقانون الوضعی، عبد العزیز خیاط، جلد ۱ ص ۱۵۰ و ۱۵۰ اور مجلۃ الاحکام الشرعیۃ علی مذہب الامام احمد بن حنبل، احمد بن عبد اللہ قاری، مادہ ۱۰۰۹۔ [2] المغنی ج ۵ ص ۲۲ ۲۳ احناف کے نزدیک یہ معاملہ شرکت عنان کی ایک قسم قرار پاتا ہے، بعض شافعی فقہا بھی اس شرط کے ساتھ اس شرکت کو جائز قرار دیتے ہیں کہ اس صورت میں شرکت اور مضاربت کا معاملہ الگ الگ نہ کیا جائے بلکہ دونوں معاملے ایک ہی ساتھ کئے جائیں، دیکھئے تکملۃ المجموع ج ۳ ص ۹۰ [3] کتاب الأم ج ۳ ص ۲۳۵ اور المغنی ج ۵ ص ۵۰ [4] المغنی جلد ۵ ص ۲۳ اور تکملۃ المجموع ج ۱۳ ص ۴۰۰، ۴۰۰ البتہ خسارہ کی صورت میں سب کا یہ اتفاق ہے کہ ہر شریک کو صرف اپنے سرمایہ ہی کے بقدر نقصان برداشت کرنا ہوگا۔

مذکورہ بالا مثالوں سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔ کہ امام احمدؒ بن حنبل جو کہ فقہ کے علاوہ سنت نبویؐ کے بھی امام تھے، ان کا مسلک امام ابوحنیفہؒ کے مسلک سے کس قدر ہم آہنگ ہے جس کو یوڈوتش نے سنت نبویؐ سے بعد اور دوری کی وجہ سے متحرک اور ترقی پذیر بتایا ہے، ان کے علاوہ شرکت و مضاربت کے معاملات سے متعلق کچھ صورتیں ایسی بھی ہیں، جن کو فقہائے احناف نے بھی باطل قرار دیا ہے۔ لیکن حنابلہ ان کو درست اور صحیح سمجھتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ شکار کرنے یا لکڑیوں کے چننے میں دو آدمیوں کی شرکت حنبلی فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ جب کہ امام ابوحنیفہؒ اس بنا پر اس شرکت کو درست نہیں سمجھتے کہ مباح اشیاء کے جمع کرنے میں شرکت جائز نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ شرکت ابدان جائز ہی نہیں ہے، اس لیے اس کی یہ قسمیں بھی ان کے نزدیک درست قرار نہیں پاتی ہیں۔[1]

۲۔ امام احمدؒ اس شرکت کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ کہ ایک فریق کی جانب سے کوئی ثابت و جامد رأس المال مثلاً چوپایہ یا شکار کا جال وغیرہ اور دوسرے شخص کی محنت ہو۔ امام شافعیؒ اور فقہائے احناف کے نزدیک یہ شکل درست نہیں ہے۔[2]

۳۔ حنابلہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے۔ کہ صاحب سرمایہ بھی عامل کے ساتھ محنت اور کام میں شریک ہوسکتا ہے۔ لیکن احناف اور مالکیہ اس کو درست نہیں سمجھتے۔[3]

---

[1] المغنی، جلد ۵، ص ۴ و ۵۔ اور المبسوط۔ جلد ۱۱ ص ۲۱۶ [2] المغنی جلد ۵، ص ۸ و ۹۔ اور المبسوط جلد ۱۱، ص ۲۱۹۔ البتہ فقہائے احناف اسی نوعیت کی ایک شرکت کو استحساناً جائز قرار دیتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ شریک جس کا رأس المال ہے وہ عامل کے کام کے نفاذ کی ضمانت اپنے ذمہ لے یعنی وہ اپنا سامان عامل کو دے، علامہ سرخسی نے المبسوط (جلد ۱۱ ص ۱۵۹) میں یہ صورت امام محمدؒ سے نقل کرکے بیان کیا ہے۔ [3] المغنی جلد ۵، ص ۲۴، اور معجم الفقہ الحنبلی۔ جلد ۲ ص ۸۹۶۔

۴۔ حنابلہ کے نزدیک مضاربت کی مدت پوری کرنے کی کوئی شرط نہیں ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک اس کے ساتھ کوئی شرط بھی رکھی جاسکتی ہے۔ اور مدت کی توسیع بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن احناف کے نزدیک راجح قول اس کے عدم جواز کا ہے۔ البتہ شوافع کے نزدیک مدت کی توسیع تو کی جاسکتی ہے۔ لیکن ان کے ساتھ کوئی شرط نہیں عائد کی جاسکتی۔[1]

۵۔ حنابلہ کے نزدیک شرکت وجوہ میں بھی نفع کا تناسب شرکاء کے سرمایوں کے تناسب سے مختلف ہوسکتا ہے،[2] جب کہ احناف کا مسلک اس صورت میں دیگر ائمہ کی طرح یہی ہے کہ اس شرکت میں نفع سرمایوں ہی کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے گا۔[3]

غرض وہ تمام فقہاء جنھوں نے مسالک اربعہ کا تقابلی مطالعہ کیا ہے، ان کا اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ معاملاتی قیود و شرائط میں سب سے نرم اور آسان حنبلی مسلک ہے۔ اس مسلک میں بہت سی ایسی صورتیں صحیح اور درست ہیں جو دوسرے تمام مسالک میں ممنوع قرار دی گئی ہیں۔ مذکورہ بالا مثالیں جو کہ مشتے از خروارے کی حیثیت رکھتی ہیں، اس کا واضح ثبوت ہیں۔ ان کے علاوہ معاملات سے متعلق مالی معاوضہ کے باب میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں، اگر صرف مذکورہ بالا مثالوں ہی کی روشنی میں فقہ حنفی اور فقہ حنبلی کا جائزہ لیا جائے تو یہ حیرت ناک نتیجہ سامنے آتا ہے کہ شرکت و مضاربت سے متعلق اکثر و بیشتر احکام و مسائل احناف اور حنابلہ کے درمیان مشترک ہیں، شرکت یا مضاربت کی کوئی بھی ایسی عملی صورت نہیں ہے، جو حنفیہ کے

---

[1] المغنی۔ جلد ۵، ص ۵۳، ڈاکٹر رفیق مصری نے اپنی کتاب مصرف التنمیۃ الاسلامی (ص ۱۶۵) میں بعض حنفی فقہاء کی یہ رائے نقل کی ہے کہ مضاربت میں مدت کی توسیع کی جاسکتی ہے۔ لیکن انھوں نے اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ ان کی یہ رائے حنفیہ کے راجح قول کے خلاف ہے۔ [2] المغنی ج ۵ ص ۲۳

[3] اللباب فی شرح الکتاب، عبدالغنی المیدانی۔ ج ۲ ص ۱۲۸۔

نزدیک تو جائز ہو، لیکن حنابلہ اس کے جواز کے قائل نہ ہوں۔ بلکہ اس کے برعکس حنابلہ کے نزدیک مزید وسعت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ مثالوں میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے، اگر ہم مذاہب اربعہ کے درمیان صرف شرکت و مضاربت سے متعلق معاملات کے بارہ میں مختلف النوع فقہی احکام و مسائل میں اجازت اور توسع کے لحاظ سے کوئی ترتیب مقرر کرنا چاہیں۔ تو ہمارے خیال میں یہ ترتیب یوں ہو گی۔[۴۹]

(وسعت و اجازت) (۱) فقہ حنبلی۔ (۲) فقہ حنفی۔ (۳) فقہ مالکی۔ (۴) فقہ شافعی (وقتِ تضییق)

البتہ اگر اس بنیاد پر مسالک اربعہ کی ترتیب دی جائے کہ کون سا مسلک مدرسہ اہل حدیث سے زیادہ قریب ہے۔ اور کون اہل رائے سے تو ہمیں اکثر فقہاء کی اس ترتیب سے مکمل اتفاق ہے جو انھوں نے مرتب کی ہے۔ وہ ترتیب اس طرح ہے۔[۵۰]

(اہل رائے) (۱) فقہ حنفی۔ (۲) فقہ مالکی (۳) فقہ شافعی۔ (۴) فقہ حنبلی (اہل حدیث)

مذکورہ بالا دونوں ترتیبوں پر غور و تامل کے بعد یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی مسلک کا اہل حدیث یا اہل رائے کے اسکول سے قریب ہونا اس مسلک کے توسع یا اس کے تشدد کا باعث بنتا ہے، خاص طور پر شرکت و مضاربت کے باب میں تو یہ بات ضرور کہی جا سکتی ہے۔ چنانچہ یوڈوتش کا یہ خیال کہ سنت نبویؐ کی جانب شدت اعتناء ہی فقہ کے جمود کا سبب ہے۔ واضح طور پر غلط ہے۔ ہمارے خیال میں یوڈوتش سے یہ غلطی سرزد ہونے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ انھوں نے حنبلی مسلک اپنے مطالعہ سے الگ رکھا ہے۔ کیونکہ وہ فقہاء جنھوں نے مسالک اربعہ کا گہرائی

[۴۹] صرف شرکت و مضاربت ہی سے متعلق فقہی احکام و مسائل کی روشنی میں ترتیب مرتب کی گئی اور یہ اس موضوع پر ہمارے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ شرکت کے علاوہ دوسرے فقہی موضوعات میں یہ ترتیب مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ [۵۰] قدماء اور اکثر معاصر فقہاء کے نزدیک یہی ترتیب ہے۔

اور دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے، ان کی رائے اس سے مختلف ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہؒ یہ کہتے ہیں کہ

"امام احمد بن حنبل کی کثرت معلومات اور سنت نبویؐ کے آثار و روایات کا گہرا علم ہی معاملاتی شرائط کے باب میں ان کے مسلک کی وسعت و فراخی کا سبب ہے"۔[۵۱]

البتہ یہ واقعہ ضرور ہے کہ ساتویں صدی ہجری کے اواخر سے فقہ عمومی جمود اور تعطل کا شکار ہو گئی تھی، لیکن علمائے محققین کی نگاہ میں اس جمود کے اسباب دوسرے ہیں، ان کی نگاہ میں اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اس عہد سے فقہ کے طلبہ کسی متعین مسلک کے فقیہ کی کتابوں کے اسیر ہو کر رہ گئے تھے، جب کہ اس سے پہلے وہ قرآن مجید، سنت نبویؐ اور شریعت کے اصول و مقاصد کا براہ راست مطالعہ کرتے تھے۔[۵۲] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت نبویؐ سے دوری فقہ کے جمود اور تعطل کا سبب ہے۔ نہ کہ اس کی قربت۔

شرکت و مضاربت پر اسلام کا اثر فقرہ ۱۲ کے ذیل میں یوڈوتش کی یہ رائے نقل کی گئی تھی، کہ "مضاربت اصلاً جزیرۂ عرب ہی کا طریقۂ تجارت تھا۔ اور اسلام سے پہلے ہی عربوں کے تجارتی قافلوں نے اس کو ترقی یافتہ صورت بھی دے دی تھی"، چنانچہ اسی بنیاد پر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ "اسلام نے شرکت و مضاربت کے علاوہ قدیم عرف و دستور میں بھی بہت کم تبدیلیاں کی ہیں"۔ (فقرہ ۳۰)

یہاں ہم صرف شرکت و مضاربت ہی کے متعلق یوڈوتش کے مذکورۂ بالا خیال کا جائزہ لینے پر اکتفا کریں گے۔ ہمارے خیال میں یوڈوتش کا یہ دعویٰ واقعہ کے خلاف ہے کہ اسلامی شریعت نے شرکت و مضاربت کے دائرہ میں تبدیلی بہت محدود پیمانہ پر کی ہے، بلکہ اس کے برعکس اسلامی شریعت نے شرکت کے باب میں عموماً اور مضاربت میں خاص طور پر بہت ہی موثر اور نمایاں تبدیلیاں کی ہیں، قوت تاثیر یا قوت استدلال کے لیے لمبی چوڑی عبارتیں یا صفحات کی

[۵۱] المدخل الفقہی العام۔ زرقاء، یہی رائے امام محمد ابو زہرہ کی بھی ہے، ملاحظہ ہو ان کی کتاب ابن حنبل۔

[۵۲] المدخل الفقہی۔ زرقاء۔

زیادتی معیار نہیں ہوا کرتی ہے، بلکہ اس کا اصلی پیمانہ انداز بیان اور مرکزی موضوعات سے اس کا تعلق ہے، چنانچہ اسلام نے شرکت ومضاربت کے بنیادی موضوعات سے تعرض کر کے اس میں زبردست تبدیلیاں کی ہیں، اس کی وضاحت کے لئے شریعت اسلامی کے بعض بنیادی احکام درج کیے جاتے ہیں۔ جو تمام ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔

۱۔ اسلامی شریعت کے تمام معاملات میں بشمول شرکت ومضاربت شرکا کا باہم رضامند ہونا اولین شرط ہے، یہی بنیادی شرط زراعتی میدان میں شرکت کے تحت کام کرنے والے کاشت کار اور زمین کے مالک کے درمیان یورپ کے اس نظام کاشتکاری کے خاتمہ کا سبب بنتی ہے، جس کے تئیں مزدور، مالک زمین کی ملکیت سے اپنے آپ کو الگ کرنے کا حق کھو دیتا ہے، اسی طرح وہ کسی دوسری زمین میں بھی کاشت نہیں کر سکتا، یا کوئی دوسرا کاروبار بھی اپنا نہیں سکتا، اور اس طرح وہ اپنی مرضی کے خلاف خاندانی غلام بننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۲۔ اسلامی شریعت کی رو سے شرکت میں نفع کی تقسیم کے وقت محنت اور کارکردگی کا بھی حصہ لگایا جائے گا۔ چنانچہ کسی معاملہ میں اگر دو شریک ہوں، اور دونوں کا سرمایہ برابر ہو لیکن محنت تنہا ایک ہی شخص کی ہو تو ایسی صورت میں جمہور ائمہ کا یہ اتفاق ہے کہ فریق ثانی کے نفع کا حصہ فریق اول کے حصہ سے کم کرنا کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔[۱]

۳۔ اسلامی شریعت نے مضاربت میں اس شرط کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، کہ مضارب یا صاحب سرمایہ کا نفع کسی متعین رقم کی صورت میں طے کر دیا جائے۔ شرکت کی بھی تمام قسموں میں یہ ممانعت بنیادی اصل کی حیثیت رکھتی ہے، اس پر تمام فقہا کا اجماع ہے۔[۲] یہی نہیں، بلکہ اس سلسلہ میں اسلامی شریعت کی جانب سے یہ اصول متعین کیا گیا ہے۔ کہ

۱ المغنی۔ ج ۵ ص ۲۲ ۲ ایضاً ص ۲۸ و ۳۸۔

کسی فریق کے لیے نفع کی کوئی ایسی شکل متعین نہیں کی جا سکتی جس کی وجہ سے وہ فریق ثانی سے نمایاں معلوم ہوتا ہو۔[۱]

۴۔ شرکت ومضاربت کی تمام قسموں میں اسلامی شریعت نے مالی خسارہ کا بار صرف صاحب سرمایہ کے ذمہ کیا ہے، مضارب پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی ہے، بلکہ وہ صرف اپنی محنت کا زیاں برداشت کرے گا۔ اہل علم فقہا کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔[۲]

۵۔ اسی طرح اسلامی شریعت میں مضارب کو راس المال کے ضامن بنائے جانے کی شرط کو بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ کسی بھی اہل علم فقیہ کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔[۳] کیونکہ مضارب کو راس المال کا ضامن بنائے جانے کی صورت میں راس المال کی حیثیت قرض کی ہو جائے گی، اور ظاہر ہے، اس صورت میں جو نفع حاصل ہوگا، اس میں اگر صاحب سرمایہ کا کوئی حصہ رکھا گیا تو وہ کھلا ہوا سود ہوگا۔ اور یہ حرام ہے۔

۶۔ اس کے علاوہ اسلامی شریعت کی جانب سے دھوکہ وفریب کی بنا پر بہت سے معاملات پر پابندی عائد کی گئی ہے، یا سودی کاروبار کی ممانعت کی گئی ہے۔ جس کا اعتراف یوڈووِش نے بھی کیا ہے۔ (فقرہ ۳۰) یہ بجائے خود اس بات کی یہ دلیل ہے کہ اسلام نے شرکت ومضاربت کے قدیم عرف دستور میں غیر معمولی تبدیلیاں کی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی طریقہ "مضاربت" اور یورپ کے طریقہ تجارت "کومنڈا" (Commenda) میں بظاہر ہم آہنگی اور یکسانی پائے جانے کے باوجود اول الذکر میں شرعی قیود وضوابط کی پابندی اور ثانی الذکر میں ان قیود وضوابط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے بہت ہی نمایاں فرق اور اختلاف ہے۔ یورپ کا یہ تجارتی طریقہ "کومنڈا" (Commenda) گو اسلامی طریقہ "مضاربت" سے

۱ الاشراف علی مسائل الخلاف، قاضی عبدالوہاب۔ جلد ۲ ص ۵۶ ۲ المغنی جلد ۵ ص ۳۸ ۳ ایضاً۔ ص ۴۸۔

اس طور پر مشابہت رکھتا ہے۔ کہ اس میں بھی دو فریق یعنی صاحب سرمایہ (Commendator)

اور عامل (Tractator) ہوتے ہیں، اور مضاربت ہی کے طرز پر اس میں بھی صرف صاحب سرمایہ

لاگت لگاتا ہے، اور عامل تنہا محنت کرتا ہے لیکن اس طریقۂ تجارت میں اور اسلامی طریقۂ مضاربت میں بنیادی

فرق یہ ہے کہ کومنڈا میں صاحب سرمایہ کی جانب سے جو رقم لگائی جاتی ہے، وہ قرض پر مبنی ہوتی

ہے۔ اور یہ قرض تجارت کی عام قسموں کے بجائے صرف بحری تجارت میں فراہم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ

یہی وجہ ہے کہ اس میں صاحب سرمایہ صرف اسی صورت میں خسارے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ....

جب کہ سامان سمندر میں ڈوب جائے۔[1] اس کے علاوہ عامل کو صاحب سرمایہ کے راس المال

کا ضامن بھی بننا پڑتا ہے، اور اس کے لیے اس کو معاملہ ختم ہونے تک اپنی کوئی قیمتی چیز رہن کے

طور پر صاحب سرمایہ کے پاس رکھنی ہوتی ہے، یہی نہیں بلکہ عامل کو سرمایہ تاخیر سے واپس کرنے پر

۲۰ فیصد جرمانہ بھی ادا کرنا ہوتا ہے۔[2] اس کے باوجود صاحب سرمایہ کا تعلق صرف اپنے مال سے ہوتا

ہے، اس کے سوا کوئی اور ذمہ داری اس پر نہیں ہوتی، جب کہ عامل ذمہ داریوں کے بندھن میں

جکڑا رہتا ہے۔[3]

غرض کومنڈا ایک ایسا طریقۂ تجارت ہے۔ جس میں شرکت کے ساتھ سودی قرض کا بھی

معاملہ شامل ہوتا ہے، اور اس قسم کا طریقۂ تجارت اسلام میں حرام ہے۔ اس کی حرمت پر

---

[1] Limited Liability Mediterranean Trade from The 12th to the 15th century By maria Medici Page.127-128

[2] مرجع سابق، ص ۱۲۶ و ۱۲۹

[3] Change sin Attitude to limited Liability — The European Exserience — By David Perrot Page 92-93

کسی بھی فقہی مسلک کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔[1]

نیز اقتصادی نقطۂ نظر سے کومنڈا یا اسی نوعیت کے دوسرے تجارتی طریقوں کا مضر پہلو یہ ہے۔ کہ ان میں تمام تر نفع قرض پر مبنی معاملات کی طرح صرف ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، جن کے پاس مال و دولت پہلے ہی سے موجود ہو، کیونکہ وہ اپنی ذاتی دولت ہی کی بنا پر راس المال کے ضامن بن سکیں گے۔ اس کے برخلاف اسلامی طریقۂ مضاربت کا فائدہ شرکت کے اور معاملات کی طرح ان لوگوں کے حصہ میں آتا ہے۔ جو کام کرنے کی صلاحیت اور قابلیت رکھتے ہیں، امانتدار ہوتے ہیں، اور ایسی تجارت کو اپناتے ہیں، جس میں ان کو کامیابی کی توقع ہوتی ہے۔ اور ان تمام باتوں میں ان کی اپنی دولت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے، کیونکہ راس المال کی کوئی ذمہ داری ان کے ذمہ نہیں ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی طریقۂ مضاربت میں اس امر کی بالکل گنجائش نہیں ہے کہ نفع اور فائدہ صرف اہل ثروت ہی میں محصور ہو کر رہ جائے۔ اس کا سہرا اسلامی شریعت میں عامل کو راس المال کا ضامن بنائے جانے کی حرمت اور ممانعت کے سر بندھتا ہے، یہی وہ بنیادی بات ہے۔ جو تجارتی معاملات میں نفع یا فائدہ کا صرف اہل ثروت میں محصور ہو کر رہ جانے کی راہ میں حائل ہے، اور یہ ایسی خطرناک بیماری ہے، جس سے معاشرہ میں اقتصادی طور پر بہت غلط اثر پڑتا ہے، چنانچہ شرکت و مضاربت کے تفصیلی احکام و مسائل میں فقہاء کے فروعی اختلافات کے باوجود ہمارا یہ پختہ یقین ہے۔ کہ اسلام نے ان دونوں طریقوں

---

[1] یوڈوتش نے اپنی اس کتاب میں اسلامی طریقۂ مضاربت کے مقابلہ میں کومنڈا کو پیش کیا ہے جبکہ یہ مقابلہ ہرگز صحیح نہیں ہے، نیز اس نے ان دونوں طریقوں کے بنیادی فرق کی بھی وضاحت نہیں کی ہے کومنڈا کے طرز پر رائج اس زمانے میں شرکت توصیہ ہے، اس شرکت اور اسلامی طریقۂ مضاربت کے درمیان تفصیلی فرق اور امتیاز کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر رفیق مصری کا غیر مطبوعہ رسالہ الجامع فی اصول الربا، ص ۲۲۵ - ۲۲۵

اپنی زبردست چھاپ لگائی ہے، اور اس سلسلہ میں اس نے ان کے تاریخی پس منظر یا ان کے قدیم علاقائی عرف و دستور کی کوئی پرواہ نہیں کی ہے، یوڈوِتش کا یہ خیال کہ شرکت و مضاربت پر اسلام کا نفوذ اور اس کی گرفت کافی کمزور ہے، واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔

حیلہ شرعی یوڈوِتش کی نظر میں یوڈوِتش بار بار فقہائے احناف کے حیلوں کا تذکرہ کرتے ہیں، گو وہ اس کا تذکرہ کسی غلط مفہوم میں نہیں کرتے ہیں، بلکہ اس کو وہ اس مسلک کے فقہاء کی واقعیت پسندی کی دلیل سمجھتے ہیں، اور اس پر اپنی خوشی اور مسرت کا اظہار بھی کرتے ہیں، تاہم اس سے یہ بدگمانی پیدا ہو سکتی ہے، کہ فقہائے احناف کا یہ رویہ زہد و تقویٰ کے منافی ہے، کیونکہ عملی زندگی کی ضرورتوں سے شرعی اصولی نظریات کے ٹکراؤ کی صورت میں جا بجا حیلوں کا استعمال اگر زہد و تقویٰ کے منافی نہ بھی قرار دیا جائے تب بھی کم از کم شرعی احکام سے گریز یا ان کی خلاف ورزی پر تو اس کو ضرور محمول کیا جا سکتا ہے۔

شرکت و مضاربت کے باب میں سب سے اہم حیلہ یوڈوِتش کی نگاہ میں سامان تجارت کو مضاربت کا راس المال بنائے جانے کے تعلق سے ہے، (فقرہ ۱۶) اس کو انھوں نے کافی اہمیت دیکر بار بار دہرایا ہے۔ سطور ذیل میں اسی حیلہ کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

فقہاء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ مضاربت کا راس المال صرف درہم یا دینار یعنی نقد سکے ہی بنائے جا سکتے ہیں، فقہاء کی یہ بات شرعی اور اقتصادی دونوں ہی نقطۂ نظر سے حکیمانہ اور دور اندیشانہ ہے، اور اس حکمت اور دور اندیشی کی وضاحت بھی ان کے یہاں ملتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

"راس المال کو نقد سکوں کی صورت میں متعین کر دینے کی وجہ سے نفع اور نقصان کی تحدید کی جا سکتی ہے، مضاربت کا معاملہ ختم کیے جانے کے وقت اس کے سبب کسی التباس یا نزاع کا خدشہ نہیں رہتا ہے، کیونکہ خرید و فروخت نقد پیسوں ہی کی صورت میں ہوتی ہے، چنانچہ معاملہ ختم کیے جانے کے وقت جو رقم راس المال سے زائد ہو وہ نفع متصور ہوگی۔ اور کمی کی صورت میں اسی سے خسارے کا تعین کیا جائے گا۔"

اسی طرح سامان کو مضاربت کا راس المال بنائے جانے کے سلسلہ میں فقہائے احناف کا یہ حیلہ کہ صاحب سرمایہ پہلے مضارب کو اپنا سامان فروخت کرنے کے لیے وکیل بنا دے اور پھر اس سامان کی جو قیمت متعین ہوگی وہ راس المال قرار پائے گی۔ یہ انتہائی پاکیزہ اور صاف ستھرا حیلہ ہے، کیونکہ یہ صاحب سرمایہ اور مضارب کے درمیان کسی قسم کے التباس یا نزاع کے خاتمہ کا سبب بنتا ہے، اور یہی شریعت کا مقصد بھی ہے کہ معاملہ ختم ہونے کی صورت میں نفع یا نقصان کے تعین میں کسی قسم کی لاعلمی یا نزاع حائل نہ ہو سکے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس صورت حال میں یہ شکل تمام ہی مسلکوں میں جائز اور درست ہے۔ یہاں تک کہ جن مذاہب میں حیلوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جیسے مالکیہ اور حنابلہ وغیرہ وہ بھی اس شکل کو درست قرار دیتے ہیں۔ اور اسے حیلہ کے بجائے ایک عام شرعی حکم سمجھتے ہیں۔[1]

اسی طرح وہ حیلہ بھی ہے، جو یوڈوِتش نے فقہ حنفی کی کتابوں میں ابواب الحیل کے حوالے سے نقل کیا ہے، کہ پہلے صاحب سرمایہ اپنا یہ سامان کسی معتبر شخص کو فروخت کر دے اور اس کی قیمت مضارب کو دیدے پھر مضارب اس شخص سے سامان خرید لے، اس حیلہ میں بھی کسی

---

[1] موطا، امام مالکؒ جلد ۳۔ ص ۲۵۳ اور المغنی جلد ۵۔ ص ۱۳ ابن قدامہ نے صرف امام احمد ابن حنبلؒ کی رائے نقل کی ہے، لیکن احمد بن عبد اللہ القاری نے اپنی کتاب مجلۃ الاحکام الشرعیۃ (مادہ ۱۸۵۸) میں حنبلی مسلک کے متاخرین فقہاء کے نزدیک بھی اس حکم کے جواز کی متعدد روایتیں نقل کی ہیں، حالانکہ نہ ہی حنبلی مسلک میں حیلوں کی کوئی گنجائش ہے، (المغنی، ج ۵ ص ۳۲) اور نہ ہی مالکی مسلک میں۔ ملاحظہ مجلۃ الشریعۃ الاسلامیہ۔ ص ۱۱۵) (بقیہ ص ۲۶۰)

شرعی حکم کی خلاف ورزی نہیں ہے، بلکہ اس عمل سے سامان کی قیمت متعین ہو جاتی ہے جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نفع یا نقصان کے تعین کے وقت کسی نزع کا ڈر نہیں رہتا ہے۔

حیلوں کے سلسلہ میں شیخ طاہر بن عاشور کی یہ رائے بہت اہم ہے، یہاں اس کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ وہ کہتے ہیں :۔

"کسی ممنوع فعل کو مواخذہ سے بچنے کے لیے جائز صورت میں پیش کرنے کو حیلہ کہتے ہیں۔ حیلے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ حرام اور مشروع۔

وہ حیلے جن سے کوئی شرعی مقصد ساقط ہوتا ہو۔ اور اس کا کوئی دوسرا جائز مقصد بدل نہ ہو۔ تو وہ حرام ہیں۔ اسی طرح کسی کا حق غصب کرنے کے لیے یا اسی قسم کی کسی برائی کے لیے جو حیلے اختیار کیے جاتے ہیں۔ وہ سب کے سب حرام اور ناجائز ہیں۔

اور حیلہ مشروع یہ ہے کہ کسی جائز طریق کو چھوڑ کر دوسرا ایسا جائز راستہ اپنایا جائے، جو پہلے کی بہ نسبت نرم اور آسان ہو، جیسے کوئی شخص وضو، میں پاؤں کو دھونے سے بچنے کے لئے موزا پہن لے، یا موسم گرما میں روزہ سے بچنے کے لیے سفر پر چلا جائے اور معتدل موسم میں اس کی قضاء کرلے، وغیرہ ۔۔۔۔ الخ[1]

باقی

(بقیہ ص۲۵۹)، ناظرین پر ہم بھی یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں، کہ ہماری نگاہ میں بھی وہ حیلے پسندیدہ نہیں ہیں، جن کا استعمال لفظی اور عقلی دلائل کے حق میں غلو کی حد تک ہوتا ہے۔ اور اس کے سبب بعض شرعی حدود بھی متاثر ہوتے ہیں، تاہم زیر بحث مسئلہ میں یوڈوتش نے حیلوں کے استعمال کو کافی اہمیت دی ہے۔

[1] مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ۔ ابن عاشور۔ ص ۱۱۵ - ۱۱۹۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط

امراؤ سلاطین کے نام

از ڈاکٹر عبداللطیف کانو

مترجم :- جناب فیضان اللہ فاروقی، لکچرر شعبۂ عربی سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انگلش اینڈ فارن لینگویجز حیدرآباد

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خطوط کی تعداد کے بارے میں بہت اختلاف ہے جو آپ نے سلاطین و امراء اور رؤسا کے نام تبلیغ اسلام کی غرض سے مخصوص قاصدوں کے ذریعہ روانہ فرمائے تھے۔ آپ مخصوص قاصدوں کا انتخاب کس طرح فرماتے تھے، ان خطوط کے جوابات آپ کو کیا ملے۔ آپ کے سفراء کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ یہ اور دوسرے بہت سے اہم سوالات ہیں۔ جن کا جواب حقائق اور دلائل کی روشنی میں زیر نظر مضمون میں دیا گیا ہے۔ اصل مضمون عربی میں ہے۔ جو "الوثیقۃ" (بحرین) کے جولائی ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ جس کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ (مترجم)

حضرت نبی کریم محمد بن عبداللہ آپ پر افضل ترین درود و سلام ہو۔ آپ اللہ کے سچے رسول اور نبی اُمّی تھے، لکھنا پڑھنا آپ نے نہیں سیکھا تھا۔ آپ خاتم الانبیاء اور سید المرسلین تھے، اللہ نے آپ کو دنیا والوں کے لیے بشیر و نذیر اور ہادی بنا کر اس لیے مبعوث فرمایا تھا۔ اس کے آسمانی پیغام کی جو در حقیقت محبت اور دائمی مساوات و اخوت کا پیغام ہے، دنیا میں تبلیغ عام ہو سکے اللہ نے آپ کو خلق عظیم کے رفیع الشان منصب کے لیے منتخب فرمایا۔ اور ایک ایسے آسمانی مذہب کے

تحت انسانیت، اور رسالت کو روئے زمین پر یکجا کر دینے کی خدمت آپؐ کو تفویض ہوئی۔ جو سچائی امن وسلامتی اور وحدانیت خداوندی سے عبارت ہے۔

دعوت نبوت کی ابتداء کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ یکسر جہاد و عمل، ثابت قدمی اور دین حنیف کے اثبات و بقا کے لیے جدوجہد کی زندگی تھی، نزول وحی کے بعد ابتدائی چند سال بہت صبر آزما تھے اگر دیکھا جائے تو یہ چند سال دین حق کی اشاعت اور اس کے استحکام کے لیے مسلسل جدوجہد اور غیر معمولی کوشش و عمل کے ایام تھے، مگر یہی وہ متبرک زمانہ ہے جس میں نور اسلام کی شعاعیں سارے عالم کو منور کر رہی تھیں، اور یہ معاشرۂ انسانی کو خدائے وحدہٗ لاشریک کے بھیجے ہوئے سچے دین میں داخل ہونے کی صلائے عام کا زمانہ تھا۔

تاریخ انسانی کے اس اہم ترین دور میں مشرق کا سیاسی اور اقتصادی اقتدار حکومت کسریٰ کے ہاتھوں میں تھا۔ اور مغرب قیصر روم کی عظیم سلطنت سے متاثر تھا۔ چنانچہ یمن اور عراق کی ریاستیں کسریٰ کی باج گذار تھیں اور مصر و فلسطین اور شام ہرقل روم کے تابع فرمان تھے۔ جزیرہ نمائے عرب کی دوسری ریاستیں ان دو عظیم قوتوں کے درمیان منقسم تھیں، ان قوتوں کا اثر ریاستوں پر یا تو براہ راست تھا، یا پھر جزیرہ نمائے عرب کے ان ملوک و امراء، حکام اور قبائل کے توسط سے تھا، جو ان قوتوں سے قریبی ربط و تعلق رکھتے تھے لیکن جزیرہ نمائے عرب کا درمیانی علاقہ ان بیرونی قوتوں سے متاثر نہیں تھا، اور اسی لئے وہ اپنی فطری طبیعت اور مزاج پر ہمیشہ باقی رہا لیکن اس خود مختاری کی حیثیت کسی مکمل، با اثر و با اقتدار وحدت کی نہیں تھی، جس کے سہارے ایک عظیم الشان مضبوط حکومت کی بنیاد رکھی جاسکتی۔

چنانچہ جزیرہ نمائے عرب کا یہ وسطی علاقہ متفرق قبائل اور ایسے ترقی پذیر شہروں سے مربوط رہا جن کا دارومدار موسمی تجارت اور موسم حج میں مکہ مکرمہ کو آنے جانے والے قافلوں سے خرید و فروخت

پر تھا، یا پھر اُن قافلوں سے تجارت پر منحصر تھا۔ جو اپنی محدود دستکاری اور معاشی حالات کے فروغ کے لئے آیا جایا کرتے تھے۔

سیاسی حد بندیوں کے ساتھ ہی جزیرہ نمائے عرب نور اسلام کی ضیا پاشیوں سے پہلے بہت سے مذاہب و ادیان بھی دیکھ چکا تھا۔ چنانچہ مجوسیت، نصرانیت، یہودیت اور بت پرستی وغیرہ اس کے جانے پہچانے مذاہب تھے، صورتِ حال کے فطری تقاضے کے طور پر ان مذاہب کے الگ الگ فرقے تھے، جو اپنے اپنے مذہبی عقائد و رسوم اور تعلیمات سے بندھے ہوئے تھے، شام اور سینا کے علاقوں میں عیسائیت کا رواج تھا، خیبر، یثرب (مدینہ)، یمن اور بحرین میں یہودیت کا زور تھا، جزیرہ نمائے عرب کے مشرقی حصے میں مجوسیت کا غلبہ تھا۔ بُت پرستی کا حال یہ تھا کہ مختلف قبائل میں متفرق طور پر پھیلی ہوئی تھی، اور مکہ مکرمہ کو بت پرستوں کے دیوتاؤں کے متبرک مقام ہونے کی حیثیت سے مرکزیت حاصل تھی، ابتدائے اسلام سے قبل عرب کی عام حالت یہی تھی، اور بعد میں بھی نبوت کے ابتدائی ۲۰ برسوں تک کم و بیش یہی عالم رہا۔ رفتہ رفتہ اسلام کا بول بالا ہونا شروع ہوا، یہ نونہال نو دمیدہ نفوسِ مطمئنہ میں آہستہ آہستہ اپنی جڑیں مضبوط کرتا چلا گیا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے شریف اس مسئلہ میں قطعی ہو گئی کہ اسلام کی دعوت کو عرب کی محدود چار دیواریوں سے نکال کر سارے عالم میں عام کیا جائے، نبوت کے اس مبارک پیغام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے آپؐ نے بادشاہوں اور امراء کے نام تحریری دعوت کا طریقہ اختیار فرمایا۔ ان رسائل میں آپؐ نے ان اعیان سلطنت کو اصنام پرستی و آتش پرستی وغیرہ سے گلوخلاصی اور امن و سلامتی کا پیغام دینے والے اللہ کے سچے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی۔

آپؐ نے یہ نہایت دانشمندانہ اور سیاسی فیصلہ ذی الحجہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ سے

واپس تشریف لانے کے بعد فرمایا، پہلے آپؐ صحابہؓ کرام کے پاس تشریف لے گئے۔ اور انھیں مخاطب کر کے فرمایا۔

"اے لوگو! اللہ نے مجھے تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ تم لوگ میری نافرمانی نہ کرنا جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں نے کیا۔"

صحابہ کرامؓ نے دریافت فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے آخر کس طرح نافرمانی کی آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ حضرت عیسیٰؑ نے ان کو وہی دعوت دی تھی، جو میں نے تمھیں دی ہے۔ پھر اس دعوت کی تبلیغ کے لیے جسے قریبی مقامات میں بھیجا وہ تو خوشی خوشی چلا گیا۔ اور اس طرح محفوظ رہا، لیکن جسے کچھ دور بھیجا اس نے حضرت عیسیٰؑ کی مرضی کو ناپسند کیا۔ اور سفر اس پر گراں گذرنے لگا۔ حضرت عیسیٰؑ نے اللہ سے اس کی شکایت کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ (بے دلی سے جانے والے مبلغین) اسی قوم کی زبان میں بولنے لگ گئے۔ جس میں تبلیغ کے لیے بھیجے گئے تھے، یعنی خود اس قوم سے متاثر ہو گئے)

رسائلِ نبویؐ کے ۹ قاصدینِ کرام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ خطوط ارسال فرمائے۔ ان تمام میں اسلام: ایمان باللہ، توحید اور رسالت کی شہادت کی دعوت ہے۔ یہ خطوط قیصر روم، نجاشی حبشہ، کسریٰ عظیم فارس۔ مقوقس شاہ مصر، شاہ عمان۔ شاہ یمامہ۔ شاہ یمن، شام کے شاہ تخوم اور بحرین کے منذر بن ساوی کے نام روانہ کئے گئے۔ ان خطوط کے ارسال کرنے کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ کچھ راویوں کا خیال ہے کہ یہ تمام خطوط ایک ساتھ ایک ہی دن روانہ کئے گئے تھے۔ یعنی ماہ محرم ۷ھ میں لیکن دوسرے راویوں کا خیال ہے کہ ماہ محرم ۷ھ کے آس پاس کی مختلف تاریخوں میں روانہ کئے گئے تھے، ایک ساتھ نہیں۔ اور یہی بات زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ چنانچہ روایت سے ثابت ہے کہ ہرقل عظیم روم کے پاس جانے والے قاصد حضرت دحیہؓ بن خلیفہ الکلبی صفر ۷ھ میں غزوۂ خیبر میں موجود تھے، اسی طرح حضرت عمروؓ بن العاص

ذی الحجہ ۸ھ میں قاصد کی حیثیت سے یمن اور عمان تشریف لے گئے۔ قدیم تاریخی مراجع جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کا ذکر آیا ہے، ان میں ابو محمد عبد الملک بن ہشام المعافری متوفی بصرہ ۲۱۳ھ کے مخطوطے کو بڑی اہمیت حاصل ہے، یہ اسی وجہ سے بھی ہے کہ ابن ہشام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھنے والے مصنفین میں بڑی شہرت اور اولیت حاصل ہے، ابن ہشام نے ان سفیروں اور جن کے پاس انھیں روانہ کیا گیا تھا۔ ان کے نام مندرجۂ ذیل ترتیب کے ساتھ ذکر کئے ہیں۔

قاصدوں کے نام	مکتوب الیہم کے نام
۱۔ حضرت دحیہؓ بن خلیفۃ الکلبی	قیصر ملک روم
۲۔ " عبد اللہ بن حذافہؓ السہمی	کسریٰ شاہ فارس
۳۔ " عمرو بن امیہؓ الضمری	نجاشی شاہ حبشہ
۴۔ " حاطبؓ بن ابی بلتعہ	مقوقس شاہ قبط (مصر میں)
۵۔ " عمروؓ بن العاص السہمی	جیفر و عبد ابنی الجلندی (عمان و اقع یمن)
۶-۷۔ " سلیطؓ بن عمرو العامری	ثمامہ بن اثال و ہوذہ بن علی الحنفیین (یمامہ کے شاہ)
۸۔ " ابو العلاءؓ بن الحضرمی۔	منذر بن ساوی العبدی شاہ بحرین
۹۔ " شجاعؓ بن الوہب الاسدی	حارث بن ابو شمر الغسانی تخوم شاہ شام

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اہم تاریخی دور میں اپنے صحابہ میں سے ۹ اشخاص کو دس بادشاہوں کے پاس روانہ فرمایا (سلیطؓ بن عمرو العامری شاہانِ یمامہ میں سے دو کے پاس گئے تھے)، لیکن آنحضرتؐ کے خطوط جو کتب سیر و احادیث میں دستیاب ہیں وہ ۹ ہیں۔ جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے، ثمامہ بن اثال کے پاس جو نامۂ مبارک روانہ کیا گیا تھا۔

باوجود کوشش کے مجھے اس خط کا متن نہیں مل سکا۔ یہ ۵ خطوط اس عہد کے شاہوں کے نام بھیجے گئے تھے، ان میں سے پانچ خطوط جزیرۃ العرب کے ملوک و امراء کے پاس لکھے گئے، اور چار دوسری بڑی سلطنتوں کے نام جو اسوقت اپنی تہذیب ترقی اور عظمت و دبدبہ کیلئے مشہور تھیں، اور اسطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خطوط کے ذریعہ دعوت اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے نہایت فطری اور منطقی طریقہ اختیار فرمایا تاکہ آپ سارے عالم کے لیے شاہد اور رحمت ہونے کے خدائی اعلان کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

تاریخ و سیر کی کتابیں اس امر میں خاموش ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدین کرام کی اس وقت عمر کیا تھی، جب وہ اس خدمت عظمیٰ پر مامور کیے گئے تھے، اس سلسلہ میں اس بات کو ترجیح دینا زیادہ مناسب ہے کہ ان میں سے زیادہ تر اصحاب چالیس اور پچاس سال کی عمر کے درمیان ہوں گے، لیکن بحث و تدقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عمرو رضؓ بن العاص کی عمر اس وقت ۸۰ سال تھی۔ (پیدائش ۵۰ ق۔ ھ) اور اسی طرح حاطب رضؓ بن ابی بلتعہ کی عمر ۶۴ سال تھی (پیدائش ۳۵ ق۔ ھ)

یہ صحابۂ کرامؓ نامہائے مبارکہ کے پہونچانے اور بخیریت واپس آنے میں پوری طرح کامیاب رہے۔ نہ ان میں سے کوئی قید کیا گیا، اور نہ ہی قتل ہوا۔ حالانکہ یہ حضرات جبابرۂ عصر کے پاس گئے، اور ان سے بحث و مباحثہ بھی کیا، عمرو بنؓ ابی امیہ جو اس خدمت جلیلہ کی ادائیگی کے بعد ۴۰ سال زندہ رہے۔ اور شجاع رضؓ بن وہب جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے ان ۲ بزرگوں کے علاوہ قاصدین کرام کی وفات اس خدمت کے بعد عام طور پر پانچ سال کے درمیان ہوئی۔

ان خطوط کے جوابات بھی الگ الگ تھے، بعض نے اسلام قبول کیا، بعض سن کر خاموش رہے، بعض نے تکبر اور عناد کا راستہ اختیار کیا۔ ان میں سے سب سے خوش نصیب قاصد حضرت علاء رضؓ بن الحضرمی تھے، آپ بحرین کی جانب قاصد بنا کر بھیجے گئے تھے، بحرین کے حاکم نے دعوت اسلام قبول کر لی تھی۔ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ و دحیہؓ بن خلیفۃ الکلبی یہ دو حضرات مثبت جواب لیکر واپس ہوئے۔ لیکن حضرت عبداللہ رضؓ بن حذافہ جو کسریٰ شاہ فارس کے پاس بحیثیت قاصد تشریف لے گئے تھے، جواب کے معاملے میں سب سے کم نصیب رہے، آپ کی توہین کی گئی۔ اور کسی براہ راست جواب کے بغیر واپس ہونا پڑا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم مبارک۔

آپ نے عہد ناموں، اور دستاویز وغیرہ پر لگانے کے لیے ابتک کوئی مخصوص مہر نہیں بنوائی تھی، اس موقع پر جب آپؐ نے صحابۂ کرام سے مشورہ فرمایا۔ تو ایک صحابی نے مشورہ دیا کہ یا رسول اللہ! بادشاہ لوگ ایسے خطوط پڑھتے ہی نہیں جن پر مہر وغیرہ نہ ہو۔ اس مشورہ کے بعد ہی آپؐ نے چاندی کی گول انگوٹھی بنوائی جس کا نگ بھی چاندی کا تھا۔ اس انگوٹھی پر ۳ سطریں کھدی ہوئی تھیں "محمد رسول اللہ" "محمد" کا لفظ انگوٹھی میں سب سے نیچے ہے۔ درمیان میں رسول کا لفظ ہے۔ اور سب سے اوپر اللہ کا لفظ ہے۔ "المصباح المضئی" میں امام ابو عبداللہ محمد بن حدیدہ انصاری نے روایت کی ہے کہ حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ انگوٹھی ہدیہ کی تھی، اس پر "محمد رسول اللہ" کندہ تھا۔ اس انگوٹھی کے بارے میں روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر یہ انگوٹھی مسجد قبا کے بالمقابل واقع "اریس" نام کے کنوئیں میں گر پڑی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہ انگوٹھی آپؐ کے دست مبارک میں رہی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔ ان سے حضرت عمرؓ کے پاس آئی پھر حضرت عثمانؓ کے پاس ۶ سال رہی۔ خاتم مبارک کی تصویر جو اسوقت دستیاب ہے۔ اس کی تحریر بہت صاف ہے۔ حروف بھی باریک اور واضح ہیں۔ خطوط ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ حروف کے درمیان بڑی حد تک تناسب اور اعتدال ہے۔ پڑھنے والے اس کے

پڑھنے میں غلطی نہیں کر سکتے کہ وہ نیچے سے اوپر کی طرف محمدؐ رسول اللہؐ لکھا ہوا ہے۔ یہ حروف انگوٹھی کے نگ پر کندہ ہیں۔ اس سے مہر لگاتے وقت کندہ حروف کو چھوڑ کر انگوٹھی کے باقی ماندہ دائرے کو سیاہی ڈھک لیتی ہے۔

المصباح المضئ میں ذکر ہے کہ مہر خلافت کندہ کرنے والے پہلے بزرگ حضرت ابوالعلاء الحضرمیؓ ہیں۔ یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ آیا مہر خلافت وہی مہر رسالت ہے۔ یا کوئی اور؟ اس سلسلے میں کچھ ایسے اشارے ملتے ہیں۔ جن سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ مہر خلافت وہی مہر رسالت ہے۔ جسے حضرت ابوالعلاءؓ الحضرمی نے کندہ کیا تھا۔ ان اشارات کو اس طرح ترتیب دیا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں پہلے یہ ذکر آچکا ہے کہ شروع کے ۳ خلفاء اپنے اپنے عہد خلافت میں خاتم رسول پہنے رہتے تھے، اس لئے ممکن ہے کہ خاتم رسالت کا نام خاتم خلافت اسی دوران میں پڑ گیا ہو، حضرت ابوالعلاء بن الحضرمیؓ کاتبین وحی میں سے ہیں، آپؓ منذر بن ساوی کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک لے کر گئے تھے۔ اور مہر کے استعمال کا ارادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت فرمایا تھا۔ جب خطوط لکھے جارہے تھے، اس لیے عین ممکن اور قرین قیاس ہے کہ خاتم رسالت نقش کرنے کی سعادت حضرت ابوالعلاء الحضرمیؓ ہی کو حاصل ہوئی ہو۔

رسائل نبویہ کی کتابت میں استعمال ہونے والے مواد

اہل عرب لکھنے پڑھنے کے لیے ان دنوں وہی چیزیں استعمال کرتے تھے۔ جو انھیں دستیاب تھیں۔ چنانچہ لکھنے کے لیے وہ لوگ ہڈی، پتھر، باریک تختیاں، کھجور کی شاخیں اور چمڑے استعمال کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ کبھی کبھی بردی کا کاغذ بھی باہر سے منگاتے تھے۔ لکھنے میں سہولت اور آسانی سے دستیابی کی وجہ سے چمڑے پر کتابت کا رواج بہت عام تھا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مضمون اور عبارت کی مناسبت سے مختلف سائز کے چمڑے استعمال کئے

جاسکتے تھے۔ پھر یہ چمڑے دیرپا، ٹھوس اور پتھر وغیرہ کے مقابلے میں ہلکے بھی ہوتے تھے، اونٹ کے بچھڑے، ہرن اور بکری بالخصوص بکری کے بچے کی کھال لکھنے کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ ان کھالوں کو بہت باریک اور چکنا بنایا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کی نرمی کی مناسبت ہی سے چمڑے کو مرق کہنے لگ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط میں جو چمڑا استعمال کیا گیا ہے، وہ باریک، ملائم اور چمکدار تھا۔ ان رسائل کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ثبت ہے مضمون کی کتابت سیاہ روشنائی سے کی گئی ہے، یہی سیاہی آپؐ کی مبینہ مہر میں بھی استعمال کی گئی ہے، یہ رسائل شریفہ اوپر سے بھی مہر بند تھے۔ تاکہ مکتوب الیہ کے علاوہ دوسرا کوئی اسے نہ کھول سکے۔ وہ سیاہی جو آپؐ کے رسائل شریفہ میں استعمال کی گئی تھی وہ یا تو سیاہ گوند یا باورچی خانہ میں جمع ہونے والے دھوئیں کی سیاہی سے بنائی جاتی تھی۔ اس سیاہی کو بحرین میں السنون کہتے ہیں۔ اس کو سادہ پانی اور کسی لیس دار چپکنے والی چیز کے ساتھ ملا کر سیاہی بناتے تھے۔ اس طرح یہ سیاہی گاڑھی اور تیز ہو جاتی تھی۔ اور خوب چمکتی تھی۔

رسائل شریفہ کی کتابت کے لیے استعمال ہونے والے قلم مسواک سائز کے چکنے بانس کی کھپچیوں کے ہوتے تھے، جن کے سرے نرم اور باریک ہوتے تھے، عرب اسی طرح کے قلم سے آشنا تھے اور اسے مختلف ناموں سے موسوم کرتے تھے، جیسے رقم۔ قلم، مرقم، مزبر، مدبر، ملقاط، وغیرہ، قلم کے قط کی پیمائش کے لیے گھوڑوں کے بال بطور معیار استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ کم سے کم قط والا قلم (الثلث الخفیف) آٹھ بال کے برابر چوڑے قط کا ہوتا تھا۔ اور سب سے زیادہ چوڑا جسے الجلیل کہتے تھے۔ وہ ۲۴ بال کی چوڑائی کے برابر ہوتا تھا۔

رسم الخط کی نوعیت

اہل عرب میں ان دنوں جو ابتدائی عام طرز تحریر رائج تھا۔ جسے عرف عام میں

کی وہ مدنی خط کہا جاتا تھا۔ وہی خط نامۂ مبارک کی تحریر میں استعمال کیا گیا ہے۔ آپؐ کے لیے منتخب حضرات نے خطوط نویسی کی ہے۔ ان خطوط کی تحریر نہایت صاف۔ سطریں سیدھی، صاف اور مسلسل ہیں۔ تحریر شروع سے آخر تک ایک طرز پر ہے۔ کبھی کبھی کوئی حرف ۲ سطروں کے درمیان بھی نظر آتا ہے۔ جیسا کہ منذر بن ساوی کے نام آپؐ کے نامۂ مبارک میں سطر نمبر ۴ اور ۵ میں اذکرک کا لفظ ہے، اس میں "اذکر" چوتھی سطر میں ہے۔ اور "ک" پانچویں سطر میں آیا ہے۔ اسی طرح "رسلی" کی "ر" پانچویں سطر میں ہے۔ اور "سلی" چھٹی سطر میں ہے۔

وہ چاروں خطوط جن کی نقلیں ہمارے پاس اس وقت موجود ہیں۔ انھیں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ منذر اور ہرقل کے پاس جانے والے خطوط ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہیں۔ اور ان کی تحریر بھی خوبصورت اور متناسب ہے، سیاہی بھی ایک جیسی ہے۔ قلم کی چوڑائی بھی ایک ہی جیسی ہے۔ جہاں تک تحریر کا سوال ہے۔ اس کی نوعیت چاروں خطوط میں ایک ہے۔ لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ یہ تمام تحریریں ایک شخص کے ہاتھ کی نہیں ہیں، بلکہ ہر خط کی کتابت الگ الگ کاتبوں نے کی ہے۔

کسریٰ کے خط کے علاوہ باقی تین خطوط ایسے ہیں۔ جن کے الفاظ اور حروف ایک دوسرے سے الگ کر کے پڑھے اور سمجھے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان تینوں خطوط میں جہاں کہیں "لا" "بسم اللہ"، "و" اور "م" کے حروف یا الفاظ آئے ہیں۔ یہ آسانی سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ رسائل شریفہ کی سطریں ہر خط میں مختلف ہیں، ہرقل کے خط میں سات سطریں ہیں، کسریٰ کے خط میں پندرہ سطریں ہیں۔ حاکم یمامہ کے خط میں ۳۲ الفاظ ہیں۔ نجاشی کے خط میں ۱۰۰ الفاظ ہیں۔ مؤخر الذکر سب سے طویل خط ہے۔ یہ رسائل شریفہ اعراب اور نقطوں سے خالی ہیں۔ ان پر کسی طرح کی حرکت نہیں ہے۔ طرز تحریر نہایت سادہ اور وہی ہے جو ان دنوں عام طور پر رائج تھا۔ جنھیں صاف کئے ہوئے چمڑے پر لکھا گیا ہے۔ سلاطین اور امراء کو لکھے جانے والے خطوط کے

مروج طریقے کے برعکس یہ خطوط تزیین کاری سے پاک صاف ہیں نہ ان کی رنگ سازی کی گئی ہے۔ سونے کے پانی کا استعمال ہے نہ ہی بیل بوٹے کی آرائش ہے، نقطے اور حرکات کا ان دنوں رواج نہ تھا۔ اس لئے یہ خطوط ان سے بھی پاک ہیں۔ یہ بسم اللہ سے شروع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر مبارک پہ ختم ہوتے ہیں۔ ان رسائل کو لکھے ہوئے تقریباً ۱۳۹۵ سال گزر چکے ہیں۔ لیکن آج بھی کوئی ماہر تحریر ان خطوط کو بہ آسانی پڑھ سکتا ہے، اگر حروف پر نقطے لگا دیے جائیں۔ تو درحقیقت یہ خطوط بالکل ان ہی مکتوبات کی طرح ہیں۔ جو آج کے زمانے میں عربی زبان میں مہارت رکھنے اور اس عہد کے طرز تحریر سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا کوئی بھی شخص لکھ سکتا ہے۔

رسائل نبویہؐ کے کاتبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی پوری ایک جماعت سے لکھنے کا کام لیا۔ چنانچہ یہ حضرات وحی، رسائل، عہد نامے اور فرمان وغیرہ لکھا کرتے تھے۔ روایت کی جاتی ہے کہ کاتبین وحی ۴۴ صحابۂ کرامؓ تھے۔ ان ہی میں سے ۲۲ صحابہؓ عہد ناموں اور رسائل کی کتابت کے لیے مخصوص تھے۔ لیکن وحی کی کتابت کے ساتھ ساتھ وثائق اور رسائل کی کتابت میں جن صحابہؓ نے بیش از بیش حصہ لیا ہے، ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ امیر المومنین حضرت علیؓ: آپؓ نے عہد نامے، صلح کے کاغذات اور مکتوبات کی کتابت فرمائی ہے۔

۲۔ حضرت زید بن ثابت الانصاریؓ: انھوں نے سریانی اور عبرانی زبانیں سیکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کتابت کی خدمت زیادہ لیتے تھے۔

۳۔ حضرت خالد بن الولیدؓ: آپؓ رسول اللہ علیہ وسلم کے کاتب اور سفیر تھے۔

۴۔ حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ: آپ پہلے صحابی ہیں، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابت کی ہے۔ اور پہلے شخص ہیں جس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا۔

۵۔ حضرت عبد اللہؓ بن الارقم :۔ آپ رسائل کی کتابت کے لیے نہایت پابندی سے دربار رسالت میں حاضر رہا کرتے۔

۶۔ حضرت معاویہؓ بن ابو سفیان :۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابت کے علاوہ آپ کا دوسرا کوئی مشغلہ ہی نہ تھا۔

۷۔ حضرت ابی بن کعبؓ :۔ آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسائل لکھے۔ آپ پہلے شخص ہیں جس نے خط آخر میں "کاتب فلاں" لکھنے کی ابتدا کی۔

صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی رہا کرتے تھے۔ بوقت ضرورت آپؐ انھیں طلب فرماتے۔ یہ حضرات لکھنے پڑھنے کا ساز و سامان اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے، کتابت کی یہ سعادت صحابۂ کرامؓ کی پوری ایک جماعت نے حاصل کی ہے، چند حضرات کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ (۲) حضرت عمرؓ بن الخطاب۔ (۳) حضرت عثمانؓ بن عفان (۴) حضرت علیؓ۔ (۵) حضرت عبد اللہؓ بن الارقم (۶) حضرت معیقبؓ بن ابی فاطمہ (۷) خالدؓ بن سعید بن العاص (۸) حضرت ابانؓ بن سعید بن العاص (۹) حضرت زیدؓ بن ثابت الانصاری۔ (۱۰) حضرت عبد اللہؓ بن عبد اللہ بن ابو سلول (۱۱) حضرت ابی بن کعبؓ (۱۲) حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان۔ (۱۳) حضرت زبیرؓ بن العوام۔ (۱۴) مغیرہؓ بن شعبہ (۱۵) شرجیلؓ بن حسنہ۔ (۱۶) حضرت خالدؓ بن الولید (۱۷) حضرت عمروؓ بن العاص (۱۸) حضرت جہیمؓ بن الصلت (۱۹) حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ۔ (۲۰) حضرت محمدؓ بن مسلمہ۔ (۲۱) عبد اللہ بن سعد۔ (۲۲) حنظلہؓ بن الربیع الاسدی۔ (۲۳) ابو العلاءؓ بن الحضرمی۔

رسائل نبویہ کیا آج بھی موجود ہیں؟ ان کے مضامین اور مقامات کی تحقیق

ان رسائل کریمہ میں سے بعض آج بھی متفرق مقامات پر موجود ہیں۔ ان میں زیادہ تر وہ رسائل ہیں۔ جو

جزیرہ نمائے عرب کے خارجی علاقوں کے بادشاہوں کے نام ارسال کیے گئے تھے۔ اندرون جزیرہ ارسال کردہ رسائل میں سے صرف ایک خط آج پایا جاتا ہے۔ یہ وہ ہے جسے اس زمانے کے حاکم بحرین منذر بن ساوی کے نام لکھا گیا ہے۔ اور اسے بزرگ صحابی حضرت العلاء بن الحضرمیؓ لے کر گئے تھے۔

ان خطوط کے مضامین صحابہؓ اور تابعینؒ نے کثرت سے روایت کیے ہیں۔ ساتھ ہی دستیاب رسائل کی تحریر اتنی واضح ہے کہ ماہرین تحریر کے لیے اس کا پڑھنا۔ اور تاریخ و سیر میں مذکور متن سے اس کا موازنہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ ان خطوط کی صرف تصاویر ہمارے پاس موجود ہیں۔ رسائل شریفہ جو ضائع ہوگئے۔ ان کے مضامین بھی حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں اس کثرت سے وارد ہوئے ہیں کہ وہ پوری طرح قابل اعتماد اور معتبر ہیں۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آج جو خطوط موجود ہیں۔ انھیں حقیقی اور اصلی خطوط کیونکر تسلیم کر لیا جائے؟ اس کے جواب کے لیے جدید سائنس کے ان متعدد اصول کی طرف توجہ کرنی ہوگی۔ جو اس سلسلے کے بہت سے سوالات کو محدود اور متعین کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ اصول محتاط انداز میں تدقیق و تحقیق کے بعد ان خطوط کی مدت عمر، مادۂ تحریر اور تاریخ کتابت وغیرہ کی تائید کرتے ہیں۔ میں نے ہرقل کے نام ارسال کردہ نامۂ مبارک جو آج دستیاب ہے۔ اس پر جدید ترین طریقۂ امتحان کی آزمائش کی۔ لیکن اس کے اصل ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں پائی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ اتنی تدقیق و تحقیق کا ہے بھی نہیں، کیونکہ آنحضرتؐ کا خطوط بھیجنا ثابت ہے۔ پھر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کوئی جعلی تحریر بنانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ہر مبارک سب سے زیادہ معتبر شہادت اور سند ہے۔ یوں ہر محقق کو اختیار ہے کہ وہ اِن مخطوطات کی جانچ اپنے طور پر کرے، اس کا تجربہ و مہارت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر اسکی رائے صحت اور حقیقت سے قریب ہوگی۔

مذکورہ حقائق کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ رسائل مبارکہ جو آج میوزیم وغیرہ میں موجود ہیں وہ درحقیقت اصل خطوط ہیں اُن رسائل میں سے ہر ایک کے بارے میں بنیادی تفصیلات کا ذکر حسب ذیل عنوانات کے تحت ہم کریں گے۔

(۱) مضمون خط (۲) قاصد کا تعارف (۳) خط لے جانے کی تفصیل (۴) جواب (یا رد عمل)

جن خطوط کی تصاویر ہمارے پاس موجود ہیں اُن میں حسب ذیل امور کا اضافہ ہے یعنی تحریر یا دہ سادہ تحریر کی تفصیل، فی الحال وہ خط کہاں ہے، مکتوبات گرامی کے تذکرے کی ترتیب حسب ذیل ہوگی۔

(۱) منذر بن ساوی کے نام (۲) شاہ روم قیصر کے نام (۳) کسریٰ ملک فارس کے نام (۴) مقوقس شاہ قبطی کے نام (۵) نجاشی ملک حبشہ کے نام (۶) امرائے عرب کے نام (۷) دیگر امراء کے نام۔

۱۔ مکتوب گرامی منذر بن ساوی شاہ بحرین کے نام | مضمون:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام۔ تم پر سلامتی ہو۔ میں تمھارے سامنے خدائے وحدہٗ لاشریک کی تعریف کرتا ہوں جسکے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ صرف اللہ ہی عبادت کے لائق ہے اور یہ کہ محمدؐ اسکے بندے اور رسول ہیں۔ اسکے بعد میں تمھیں اللہ پر ایمان لانے کی نصیحت کرتا ہوں جس نے نصیحت کی بات مان لی اس نے اپنے ہی بھلائی کی جس نے میرے سفیروں کی اطاعت کی اور انکی بات مانی اس نے گویا میری اطاعت کی جس نے انکی خیر خواہی کی اس نے میری خیر خواہی کی، میرے فرستادوں نے اس بات کیلئے تمھاری بہت تعریف کی ہے، کہ تم اللہ کیلئے بہت بھلائیاں کرتے ہو، میں نے تمکو تمھاری قوم میں شفیع بنایا تمھاری سفارش قبول کی جائے گی، اسلئے جو لوگ تمھارے یہاں مسلمان ہو گئے ہیں بوقت اسلام ان کے پاس جو کچھ تھا اسے ان کے پاس ویسے ہی چھوڑ دو، خطا کاروں کو میں نے معاف کیا، تم بھی ان کی معذرت قبول کر لو، اور تم جب تک اصلاح پر باقی رہو گے، ہم تمھیں تمھارے عہدے سے معزول نہ کریں گے، اور جو یہودیت یا مجوسیت پر باقی رہیگا، اسکی طرف سے تم پر جزیہ واجب ہوگا۔

نامۂ مبارک کا عکس

رسالة النبي صلى الله عليه وسلم الى المنذر بن ساوى امير البحرين حملها اليه الصحابي العلاء بن الحضرمي

نص الرسالة كما جاء في المخطوط حسب الاسطر

. بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله الى .
. المنذر بن ساوى سلام عليك فانى احمد الله .
. اليك الذى لا اله غيره واشهد ان لا اله الا .
. الله وان محمدا عبده ورسوله اما بعد فانى اذكر .
. ك الله عز وجل فانه من ينصح فانما ينصح لنفسه ويطع ر .
. سلى ويتبع امرهم فقد اطاعنى ومن نصح لهم فقد نصح لى .
. وان رسلى قد اثنوا عليك خيرا الله وانى قد شفعتك فى .
. قومك فاترك للمسلمين ما اسلموا عليه وعفوت عن اهل .
. الذنوب فاقبل منهم وانك مهما تصلح فلن نعزلك عن عملك ومن .
. اقام على يهوديته او مجوسيته فعليه الجزية

الله
رسول
محمد

او ديته ۔

قاصد کا تعارف | ابو العلاء بن عبد اللہ حضرمیؓ۔ متوفی ۲۱ھ (۶۴۲ء)، اصلاً حضر موت کے ہیں۔ ولادت اور نشو ونما مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ دعوت اسلام کی ابتدا ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کے بھائی عامر اور عمرو اس نعمتِ عظمیٰ میں آپ کے شریک نہ ہو سکے۔ حضرت علاؓ ایک جلیل القدر صحابی اور مقربین بارگاہ رسالت اور کاتبین وحی میں سے تھے۔ یہ نہایت فصیح و بلیغ، زبردست قوت گویائی کے مالک، عقل و دانائی سے آراستہ اور دینی مسائل میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ یہ پہلے صحابی ہیں جنھوں نے جہاد کے لیے سمندری سفر کیا۔ آپ ہی نے سب سے پہلے جزیرہ نمائے عرب سے باہر مسجد بنوائی۔ جو شاید بحرین کی مسجد الخمیس ہے۔ آپ پہلے صحابی ہیں۔ جنھوں نے کفار پر جزیہ لگایا۔ آپ ہی نے سب سے پہلے خاتم طلافت نقش کی، پہلا اسلامی بحری بیڑا جو عرفجہ بن ہرثمہ کی قیادت میں تھا۔ آپ ہی نے ۱۷ھ میں ایران کے سواحل تک اس کی رہنمائی فرمائی۔

[illegible]ھ میں منذر بن ساویٰ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے اپنے عہد خلافت میں ان کو اس ولایت پر باقی رکھا۔ اور بحرین ہی میں ان کی وفات ہوئی۔ ایک دوسری روایت سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ حضرت عمرؓ نے آپ کو بصرہ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ لیکن دوران سفر میں ارض تمیم کی کسی بستی میں وفات ہوئی۔ حضرت علاؓ رعایا میں بہت مقبول تھے۔ ان کی بات اور رائے ہر شخص کے لیے قابل قبول ہوا کرتی۔ آپ نے عدل و انصاف قائم کیا اور تبلیغ دین میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ رسول پاک علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق اغنیاء سے صدقات وصول کر کے غربا میں تقسیم فرما دیتے۔ رسول اللہ صلعم کے بعد دونوں خلفا کی نگاہ میں بھی آپ کی عزت تھی، اور رعایا میں بھی مقبول تھے۔ آپ کا ربط دونوں سے استوار تھا۔

سفارت کی تفصیل | ۸ھ کی ابتدا میں العلاء بن الحضرمیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ گرامی لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ماہ صفر میں آپ بحرین پہونچے، یہ یقیناً وہی سال ہوگا۔ یعنی ۸ھ۔ سفیر اور حاکم بحرین کے درمیان پہلی ملاقات جو خط دینے کے بعد ہوئی وہ عرب کی اس سرزمین کے لیے جہاں آتش پرستی اور یہودیت کا بول بالا تھا۔ ایک تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ یہ قاصد اپنے ہمراہ سچائی اور امن و سلامتی کا اچھوتا پیام لایا تھا۔ ایک ایسا پیغام جس کی عبارت دوسرے مذاہب کے ساتھ درگذر اور عفو کی طرف واضح نشاندہی کرتی تھی۔ کیونکہ اس نامۂ گرامی کی آخری سطریں واضح اعلان کر رہی تھیں کہ (اسلام کے غلبے کے باوجود) اگر کوئی مجوسیت یا یہودیت کو اپنا مذہب بنائے رکھنا چاہتا ہے۔ تو اسے اجازت ہے، اس کی حفاظت ہمارا فرض ہے، جس کے بدلے میں ہم اس سے جزیہ لیں گے۔ حاکم بحرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ ان دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس سے غیر معمولی فہم و فراست کا پتہ چلتا ہے۔ سہیلی نے اسے یوں نقل کیا ہے۔

"العلاء بن الحضرمیؓ نے منذر سے فرمایا کہ آپ دنیاوی امور میں نہایت صاحب فہم و فراست ہیں۔ تو آخرت کو بھی حقیر نہ سمجھیے۔ آپ سن لیں کہ یہ مجوسیت بدترین دین ہے، ایسا دین جس میں نہ تو اہل عرب کی عزت و شرافت ہے نہ ہی اہل کتاب کا علم، چنانچہ یہ لوگ ایسی ہستیوں سے شادیاں کرتے ہیں، جن سے نکاح باعث شرم ہو۔ ایسی چیزیں کھاتے ہیں۔ جنھیں شریف لوگ کھانا پسند نہیں کرتے۔ دنیا میں ایسی آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ جو آخرت میں خود انھیں ایندھن بنائے گی، آپ صاحب فکر و فہم ہیں۔ ذرا سوچیے کیا ایسی ہستی کی تصدیق نہ کرنا آپ کے لیے مناسب ہے۔ جو کبھی جھوٹ نہ بولا ہو۔ کبھی خیانت نہ کی ہو، اُس پر آپ ایمان نہ لائیں۔ جس نے کبھی وعدہ

وعدہ خلافی نہ کی ہو۔ اس پر آپ اعتماد نہ کریں۔ اگر میں اپنی بات میں سچا ہوں تو یقیناً وہ ذات گرامی اپنی نبی امی کی ہے، جن کے متعلق کوئی صاحب عقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپؐ نے جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ ایسے ہیں کہ ان سے روکا جاتا اور آپ نے جن باتوں سے روکا ہے۔ وہ کئے جانے کے لائق ہیں۔ (مقصد یہ ہے کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت عین فطری ہے۔ مترجم) اسی طرح کبھی آپ ایسا بھی کرتے کہ شریعت کے معاملے میں نافذ کردہ سزا و جزا کو اپنی طرف سے کچھ کم یا زیادہ کرتے۔ یہ تمام باتیں اہل فکر و نظر کی توقعات کے عین مطابق ہیں"۔

منذر نے یہ تقریر سنکر کہا۔

"میرے پاس جو کچھ ہے، یعنی اقتدار اور ملک وغیرہ، اس پر میں نے غور کیا تو اسے صرف دنیا کے لیے پایا۔ اور تمھارے دین کو سعادت دارین کا حامل پاتا ہوں، پھر بھلا ایسا مذہب میں کیوں نہ اختیار کر لوں جس میں موت سے پہلے اور بعد۔ ہر دو زندگیوں کی رعایت موجود ہے۔ کل تک مجھے اس شخص پر حیرت تھی، جو یہ دین قبول کرتا تھا اور آج اس پر تعجب ہے، جو اسے ٹھکراتا ہے، اس دین کا اہم جز یہ ہے کہ اس کے رسولؐ کی تعظیم کی جائے۔ میں اور غور کر کے جواب دوں گا"۔

ردعمل منذر بن ساوی نے اسلام قبول کر لیا، ساتھ ہی بحرین کے لوگ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ ان پر جزیہ لگا دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین سے خراج وصول کرنے کے لیے حضرت قدامہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کو روانہ فرمایا تھا۔ مدینہ منورہ میں سب سے پہلا خراج اہل بحرین ہی کا آیا۔ یہ ۷۰ ہزار درہم تھا۔ درہم چاندی کا سکہ ہوا کرتا تھا۔ اور دینار سونے کا۔ ان دنوں عرب میں یہی سکے رائج تھے۔

ایرانی اور بازنطینی سکوں کا بھی چلن تھا۔

نامۂ مبارک کا رسم الخط اور دیگر مواد صاف کئے ہوئے نفیس چمڑے پر یہ خط سیاہ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ اس میں کسی طرح کی تزئین و آرایش نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر مبارک دائرے کی شکل میں بہت واضح ہے، اس میں کلمات کندہ کئے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے کندہ کئے ہوئے ۳ حروف "محمد رسول اللہ" کے علاوہ مہر کے پورے دائرے پر روشنائی پھیلی ہوئی ہے، خط صاف اور واضح ہے۔ حرکات اور نقطوں کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ ابتدائی مدنی رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔ یہی عربی کا قدیم رسم الخط ہے، کلمات میں باہمی تناسب کا فقدان ہے، ابتداء بہت متناسب اور متوازن ہے، لیکن آگے چل کر حروف اور کلمات چھوٹے بڑے ہو گئے ہیں، اس طرح باہمی تناسب کا فقدان ہے، اسی طرح دو دو سطروں کا درمیانی فاصلہ بھی بتدریج کم ہوتا چلا گیا ہے۔ اور آخر تک پہونچتے پہونچتے سطریں ایک دوسرے میں مل سی گئی ہیں، حروف اور کلمات کا تناسب بھی بے ترتیب ہے، اس کے باوجود بعض حروف نہایت صاف ہیں، کوئی محقق پڑھنا چاہے۔ تو غور کر کے پڑھ سکتا ہے، نامۂ مبارک میں کل دس سطریں ہیں۔ اور مہر مبارک کے بہ شمول سو کلمات ہیں۔ کچھ کلمات بہت واضح ہیں جنھیں بغیر کسی ماہر تحریر کی مدد کے بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ مثلاً۔ بسم اللہ۔ محمد۔ رسول۔ ساوی۔ لا۔ ما اسلموا۔ آخر میں مہر مبارک ہے۔ جو خط کی انتہاء سے کوئی ۲ سنٹی میٹر کے فاصلے پر ہے۔ اور خط کے بائیں جانب نیچے کی طرف سے تقریباً چوتھائی (¼) حصے پر ثبت ہے۔

اس خط کا انکشاف دمشق میں ۱۸۶۴ء میں ہوا تھا۔ یہ ایک شامی خاندان کی تحویل میں تھا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ خط بعد میں جرمنی پہونچ گیا۔ میری تحقیق اس خط کے متعلق ابتک جاری ہے، اس سلسلے میں دمشق کا متعدد سفر میں نے کیا۔ عربی مخطوطات کے میوزیم میں

اس خط کی عکسی تصویر کے نیچے میں یہ لکھا ہوا پایا کہ اصل خط دمشق کے میوزیم میں موجود ہے۔ لیکن اس روایت کی تحقیق کا موقع مجھے ابتک نہیں مل سکا۔

نامۂ مبارک قیصر شاہ روم کے نام

مضمون :- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہرقل شاہِ روم کے نام۔

سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت مان لی۔

امابعد! میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسے قبول کرلو تو تمہارے لئے سلامتی ہے۔ اللہ تمہیں دوچند اجر عنایت فرمائے گا۔ انکار کروگے تو تمہاری رعایا کا عذاب بھی تم ہی پر ہوگا۔ (اے اہل کتاب کیوں نہ ہم ایک ایسی بات پر متفق الرائے ہوجائیں۔ جو ہم دونوں کے لئے یکساں تسلیم شدہ ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک عبادت نہ کریں۔ اللہ کے علاوہ ایک دوسرے کو ہم لوگ اپنا کارساز نہ بنائیں۔ اگر اہل کتاب اس دعوت کو تسلیم نہ کریں تو مسلمانو تم اپنے اسلام کی شہادت اُن سے لے لو) (آیات قرآنی)

مہر مبارک

اللہ
رسول
محمد

از مترجم :- نامۂ مبارک پر عکسی تصویر میں حروف وکلمات کی تعداد اور دیگر تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔ (تصویر نامۂ مبارک بنام ہرقل)

نامۂ مبارک کا عکس

رسالة النبی صلی الله علیه وسلم الی هرقل عظیم الروم حملها الیه الصحابی دحیة بن خلیفة الکلبی

نص الرسالة کما جاءت في المخطوط حسب الاسطر

. بسم الله الرحمن الرحیم من محمد عبدالله ورسوله .
. الی هرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الهدی اما بعد .
. فانی ادعوك بدعایة الاسلام اسلم تسلم یوتك الله .
. اجرك مرتین فان تولیت فعلیك اثم الاریسیین ویا اهل الکتا .
. ب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا الله .
. ولا نشرك به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من .
. دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مس .
. لمون .

الله
رسول
محمد

سفیر کا تعارف | حضرت دحیہؓ بن خلیفہ بن فروۃ بن فضالۃ الکلبی ۔ آپ شروع ہی میں اسلام لائے تھے ۔ غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے ۔ آپ کا شمار جلیل القدر صحابہ اور مقربین بارگاہ رسالت میں ہوتا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت دحیہ کلبیؓ کو حضرت جبرئیلؑ سے تشبیہ دیا کرتے تھے ۔ کیونکہ آپؓ نہایت حسین وجمیل تھے ۔ آپ کے حسن وجمال کے سلسلے میں یہ بھی روایت مشہور ہے کہ (زمانہ جاہلیت میں) جب آپ ملک شام سے آئے تھے تو شہر کی ساری باندیاں آپ کے حسن وجمال کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے گھروں سے باہر نکل پڑی تھیں۔ اسلام کی نشر واشاعت اور اس کی جڑیں مضبوط کرنے میں آپؓ نے نمایاں خدمات انجام دیں ۔ غزوات میں آپ ہمیشہ ثابت قدم رہے ۔ حضرت دحیہؓ شام وفلسطین کا سفر پہلے بھی کر چکے تھے ۔ اسی لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انتخاب ان پر پڑی ۔ حضرت دحیہؓ نے چاروں خلفائے راشدین کا زمانہ پایا ۔ آخر میں حضرت معاویہؓ کے عہد میں ملک شام میں سکونت پذیر ہوگئے تھے ، وفات ناصرہ کے قریب مقام تنیم میں تقریباً ۴۵ھ مطابق ۶۶۵ء میں ہوئی ۔

سفارت کی تفصیل | حضرت دحیہؓ الکلبی مدینہ منورہ سے چلکر پہلے حارث شاہ غسان کے پاس پہونچے ، اس نے آپ کا استقبال کیا ۔ اور شاہ روم سے ملانے کے لیے آپؓ کے ہمراہ حضرت عدیؓ ابن حاتم کو کر دیا ۔ ہرقل نے نامۂ مبارک کس مقام پر وصول کیا ۔ اس سلسلے میں کئی روایات ہیں ۔ ایک روایت میں مقام حمص فلسطین سے بیت المقدس کے راستے میں پڑتا ہے ، اس کا ذکر ہے ۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت ہرقل مقام تبوک میں تھا ، جو دمشق کے راستے میں ہے ۔ ہرقل نے قاصد رسول اللہ کا پر تپاک خیر مقدم کیا ۔ اور ایک عربی مترجم کی وساطت سے سلطنت رومانیہ شرقیہ کے عظیم الشان دربار میں قاصد کی باتیں غور سے سنیں ۔ پھر اس نے حکم دیا کہ

یہ جو رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی قوم کے کسی شخص کو حاضر کیا جائے ۔ اس وقت شام میں سفیان بن حرب موجود تھے ، انھیں شاہی دربار میں قریش کے چند دیگر افراد کے ساتھ طلب کیا گیا ۔ ہرقل نے اُن سے تفصیلی گفتگو کی ۔ جس کے نتیجے میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے مطمئن ہوگیا ۔ سہیلی نے روض الأنف میں حضرت دحیہؓ اور ہرقل کی گفتگو اس طرح نقل کی ہے ۔

حضرت دحیہؓ الکلبی :۔ اے قیصر ! مجھے اُس ذات گرامی نے تیرے پاس قاصد بنا کر بھیجا ہے ۔ جو تجھ سے افضل ہے ۔ اور ان کو اس ذات نے رسول بنا کر مبعوث کیا ہے ۔ جو خود اُن سے افضل ہے ۔ میری باتوں کو عاجزی اور انکساری کے ساتھ سنو ۔ اور اس خیرسگالی کی دعوت پر لبیک کہو ۔ (شاہانہ جاہ واقتدار الگ رکھکر) جب تک تواضع اور انکساری سے میری باتیں نہیں سنوگے اسے سمجھ نہیں سکتے ۔ اگر اس نصیحت کو تم نے ٹھکرا دیا تو یہ عین ناانصافی ہوگی ۔

ہرقل :۔ آپ کہیے جو کچھ کہنا چاہتے ہیں ۔

حضرت دحیہؓ :۔ کیا حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام نماز پڑھتے تھے ۔ ؟

ہرقل :۔ ہاں ۔

حضرت دحیہؓ :۔ میں تمھیں اسی ذات گرامی پر ایمان کی دعوت دیتا ہوں جس کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھتے تھے ، جس نے آسمان وزمین کی تخلیق نہایت مدبرانہ انداز میں اس وقت کی تھی ۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا بھی نہ ہوئے تھے ۔ میں تمھیں اس نبی امی کی تصدیق کی دعوت دیتا ہوں ۔ جسکی بشارت حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے دی تھی ۔ اس سلسلے میں تمھارے پاس خود اتنی معلومات اور آثار موجود ہیں ۔ کہ مزید شہادتوں اور

خبروں کی کوئی ضرورت تمھیں نہیں ہے، اس دعوت پر ایمان لاؤگے تو سعادت دارین تمھارے لیے ہوگی۔ انکار کروگے تو آخرت تمھاری ضائع ہو ہی جائے گی۔ دنیاوی حکومت میں بھی تمھارے شریک پیدا ہو جائیں گے۔ تمھیں یہ بات ہرگز نہیں بھولنی چاہیئے کہ ایک بادشاہوں کا بادشاہ بھی ہے۔ جس نے بڑے بڑے کج کلاہوں کو چشم زدن میں خاک میں ملا دیا۔ اور ان کا جاہ واقتدار اور ملک و دولت دوسروں کو بخش دیا۔

قیصر نے نامۂ مبارک سر آنکھوں سے لگایا، اسے بوسہ دیا۔ اور پھر کہا کہ میں نے اس سلسلے کی ساری کتابیں پڑھ ڈالیں، تمام علماء سے اس مسئلے میں گفتگو کی۔ لیکن اس دین جدید میں مجھے بھلائی اور خیر کے علاوہ کچھ نہ ملا؛ سو آپ مجھے کچھ اور غور کرنے کا موقع دیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے موجود ہونے کے بارے میں مجھے کچھ اور غور کرنا ہے۔ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ آج جلدی میں کوئی ایسی رائے دیدوں کہ کل اس سے بہتر رائے دی جاسکتی ہو۔ یہ میرے لیے مضر ہے۔ نفع بخش نہیں اس لیے آپ ابھی نہیں ٹھہریں میں اس امر میں غور کرتا ہوں۔

ہرقل کا ردِعمل

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہرقل نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ اسلام سے کلیۃً مطمئن تھا۔ لیکن خوف کی وجہ سے اسلام قبول نہ کرسکا۔ المصباح المضئ کے حوالے سے دو روایتیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی روایت :۔ ہرقل نے حضرت دحیہؓ سے کہا کہ بخدا میں جانتا ہوں کہ یہ سچے نبی ہیں۔ جن کا ہمیں انتظار تھا۔ لیکن مجھے اہل روم سے خوف ہے کہ وہ مجھے ہلاک نہ کردیں۔ اگر یہ خوف نہ ہوتا۔ تو میں ضرور اسلام میں داخل ہو جاتا۔

دوسری روایت :۔ ہرقل نے ایک خط جواب میں لکھا جسے حضرت دحیہؓ کے ہاتھ ارسال کیا۔ اس میں ہرقل نے اپنے اسلام کا اقرار کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ مجھے اپنے

حالات پر قابو نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس نے کچھ تحفے بھی روانہ کئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط پڑھ کر فرمایا۔ "اللہ کا دشمن جھوٹ بولا وہ ہرگز اسلام نہیں لایا ہے۔ بلکہ اب بھی نصرانی ہے۔ اس کے ارسال کردہ تحائف آپؐ نے مسلموں میں تقسیم فرما دیئے۔"

رسم الخط اور دیگر مواد

ابتدائی دباغت دی ہوئی ہرن کی کھال پر یہ خط سیاہ روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے۔ نقطے اور حرکات کا استعمال نہیں ہے، خط کے آخر میں مہر رسالت ثبت ہے۔ جو بائیں جانب سے صفحہ کے پہلے آٹھویں حصے (ثمن اول) کے قریب لگائی گئی ہے، مہر کے بعض حروف مٹ گئے ہیں۔ پھر بھی "محمدؐ" کا لفظ صاف پڑھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح "رسول" کے بعض حروف بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔ خط کی کتابت بہت سادہ اور ہر طرح کی آرائش سے پاک ہے۔ رسم الخط مدنی ہے۔ حروف وکلمات صاف اور باریک اور ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔ منذر بن ساوی کے خط کے مقابلے میں اس خط کی کتابت زیادہ اچھی ہے۔ سطریں حتی الامکان سیدھی ہیں۔ حروف کی شکلیں عموماً منفرد و واضح ہیں۔ بین السطور کے فاصلے کم و بیش متناسب ہیں۔ اسی طرح کلمات کے درمیان بھی تناسب کی رعایت رکھی گئی ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ خط تحریر کے اعتبار سے ایک مناسب اور معتدل انداز کی نمائندگی کرتا ہے۔ ابتک دستیاب شدہ خطوط میں یہ خط سب سے زیادہ خوشخط ہے۔ غور سے پڑھنے پر اس کا مضمون سمجھ میں آسکتا ہے۔ کیونکہ اکثر کلمات وحروف ایسے صاف ہیں کہ ان میں گتھی سلجھانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ رسم الخط خط بسیط جو نسبتاً آسان ہے۔ اس سے زیادہ قریب ہے۔ یہ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھنے والوں میں سے کسی خوش نویس کے ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ قرین قیاس ہے۔ کہ اس کی کتابت جلیل القدر صحابی حضرت زید بن ثابتؓ نے کی ہو، کیونکہ آپؓ کی خوشخطی بہت مشہور رہی ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ ہی رہا کرتے اور وحی کی کتابت فرمایا کرتے۔ خط میں آٹھ سطریں اور مہر مبارک کے
بہ شمول ۱۰۰ کلمات ہیں۔

یہ خط اس وقت اردن کے شاہ حسین کے پاس موجود ہے۔ اپریل ۱۹۷۷ء میں
شاہ موصوف نے ایک قومی نشریے میں اس نامۂ گرامی کی بابت حسب ذیل تقریر کی تھی۔

"مملکت اردنیہ کے بانی عبداللہ بن حسین نے جو ورثہ ہمارے لیے چھوڑا
ہے۔ اس میں یہ نامۂ مبارک سب سے زیادہ قابل قدر اور عزیز ہے۔ آپ اسی
نامۂ مبارک کے لئے زندہ ہیں۔ اسی کے لیے جان دی، اس کی تاریخی اہمیت جس کا
اندازہ لگانا بھی ناممکن ہے۔ اس کے پیش نظر مورث اعلیٰ نے یہ وصیت فرمائی
تھی کہ نامۂ مبارک ایسے شخص ہی کی تحویل میں دیا جائے۔ جو اس کی قدر کرسکتا ہو
اس کی اہمیت سمجھ سکتا ہو۔ اس کی حفاظت اسی توجہ کے ساتھ کرسکتا ہو،
جس نے تقریباً ۱۳ سو برس تک اس نامۂ مبارک کو باقی رکھا ہے۔ الحمد للہ کہ
یہ امانت کچھ دنوں پہلے مجھے سونپی گئی ہے۔ اس امانت کی دیکھ ریکھ اور حفاظت
کے پیش نظر میں نے یہ طے کیا ہے کہ اب اسے مسجد ہاشمی میں منتقل کردیا جائے یہ مسجد
ہمارے شہر میں ایسے مقام پر واقع ہے، جو وادی اخضر اور قوس شریف دونوں
جگہ سے صاف نظر آتی ہے۔"

مسجد ہاشمی شاہی محل کے قریب علیا حسین جو اسی سال ہیلی کوپٹر کے ایک فضائی
حادثے میں ہلاک ہوگئی تھیں۔ ان کی تدفین کی غرض سے تعمیر کی گئی تھی۔ نامۂ مبارک کے
انکشاف کے سلسلے میں متعدد ذرائع کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک روایت یہ ہے۔ کہ اسپین کے
شہر طلیطلہ میں یہ شاہ فانسو کے پاس تھا۔ دوسری روایت ہے کہ اشبیلیہ کے کسی گرجا میں

محفوظ تھا۔

المجامع العلمی رباط کے مدیر ڈاکٹر عبدالہادی التازی سے رسائل نبویؐ کے سلسلے
میں میری تفصیلی گفتگو اس وقت ہوئی تھی۔ جب ہم اپریل ۱۹۷۷ء میں البعث العلمی کی
کانفرس کے موقع پر اردن میں ملے تھے۔ اس کانفرس میں ہرقل کے خط کا تذکرہ بطور خاص
ہوا۔ اسی کانفرنس میں شاہ حسین کے اس اعلان پر بحث ہوئی۔ جو انھوں نے اس خط کے
حصول کے سلسلے میں کیا تھا۔ ڈاکٹر ہادی سے میری گفتگو کے کچھ نکتے حسب ذیل ہیں۔

اس خط کے سلسلے میں جرمن مستشرق مولر نے ۱۰۰ سال سے بھی کچھ پہلے یہ لکھا تھا کہ
ابن سعید غرناطی نے اس خط کو چھٹی صدی ہجری کے وسط میں اسپین کے شاہ الفونسو معظم
کے پاس دیکھا تھا۔ پھر یہ رسالہ کریمہ خلیفہ موحدی الناصری کی خدمت میں انگلستان کے شاہ جون
کی طرف سے ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں پیش کیا گیا جہاں کچھ عرصے تک یہ رسالہ شریفہ مغربی دربار میں
محفوظ رہا۔ مصری سفیر نے بھی اس کی زیارت کی تھی۔ اس نے یورپ کا سفر مصر اور انگلستان کے بادشاہوں
کے درمیان یورپی ممالک کو مداخلت پر آمادہ کرنے کے لیے کیا تھا۔ اس سفیر کو شاہان بنو مرین نے
فونس دہم کے پاس بھیجا تھا۔ سلطنت علویہ کے مورث اعلیٰ سلطان مولائی اسماعیل نے فرانس
کے شاہ لوئی چہاردہم سے اس خط کی بازیابی کے سلسلے میں ۱۱ دیں صدی ہجری کے وسط میں
متعدد بار مراسلت کی تھیں براہ پرتگال یہ خبر ملی تھی کہ یہ خط یورپ (فرانس) میں موجود ہے۔
مسیحی یورپ کے تعلقات ممالک اسلامیہ کے ساتھ مشرق سے مغرب تک صدیوں سے قائم
تھے۔ یہ تعلقات مراسلت، سفارت اور ان عیسائی زائرین کے توسط سے تھے، جو بیت المقدس
کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے، ان حقائق کی روشنی میں اگر دیکھا جائے۔ تو اس نامۂ مبارک کا
انکشاف اردن کی ہاشمی سلطنت میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بعید از قیاس نہیں ہے۔ دولۃ الامارات العربیہ

حکمران شیخ زید بن سلطان النہیان نے اس نامۂ مبارک کے سلسلے میں بہت چھان بین کی، کویت اور ابوظبی کے تمام ماہرین تحریر کے سامنے یہ خط پیش کیا گیا۔ دولت الامارات العربیہ کے مشیر خاص ڈاکٹر عز الدین ابراہیم نے اس پر متعدد لکچر دیئے۔ اسے لندن کے میوزیم اور لیڈز یونیورسٹی کے ماہرین کے پاس بغرض امتحان وتحقیق بھیجا گیا۔ تمام تحقیق وتفتیش نے اس بات کی تصدیق کردی کہ اس مخطوطے کے اصل ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

(باقی)

سلسلۂ سیرۃ النبیؐ

دار المصنفین کا یہ مقدس سلسلہ سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں پہلی اور دوسری جلد، سید صاحب کے بکثرت اضافوں کے ساتھ جو قوسین کے اندر ہیں مولانا شبلیؒ کی قلم سے ہے۔ تیسری سے ساتویں جلد تک تمامتر سید صاحب کے قلم سے ہے۔ ساتویں جلد جو معاملات پر لکھ رہے تھے۔ اسی موضوع پر ان کے چند متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس پر جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان نے ایک لاکھ کے انعام کا اعلان کیا ہے۔ اور ایک سے لیکر سات تک پورے سٹ کا اپنے پاس رکھنا ہر ایک حکومت کے ہر شعبہ کے ملازمین کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں یہ تمام جلدیں پاکستان میں لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر فروخت ہو رہی ہیں۔

حصہ اول:۔ مع محققانہ مبصرانہ، عالمانہ مقدمہ کے آنحضرت صلعم کی ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات وغزوات کا ذکر۔

حصہ دوم:۔ آنحضرت صلعم کی وفات اور اخلاق وعادات کا مفصل بیان، ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کے حالات۔

حصہ سوم:۔ یہ تمامتر معجزات پر ہے۔ جو آنحضرت صلعم سے وقوع پذیر ہوئے۔ قیمت:۔ ۵۵ روپے

حصہ چہارم:۔ منصب نبوت پر ہے۔ یہ اس سلسلہ کا اہم ترین حصہ ہے۔ " ۵۵ روپے

حصہ پنجم:۔ عبادات پر ہے۔ " ۳۵ روپے

حصہ ششم:۔ اسلامی واخلاقی تعلیمات اور فضائل ورذائل پر ہے۔ " ۵۵ روپے

حصہ ہفتم:۔ معاملات پر ہے۔ قیمت:۔ ۲۰ روپے

"منیجر"

اولیا چلپی

(سترھویں صدی کا ایک ترک سیاح)

از جناب ثروت صولت صاحب، کراچی

(۲)

۴۔ کریمیا کے سفر کے بعد اولیا چلپی تین سال تک استنبول سے نہیں نکلا۔ اس کے بعد وہ ۱۰۵۵ھ/۱۶۴۵ء میں جزیرہ کریٹ کی مہم میں شرکت کے لیے روانہ ہوا۔ اب تک رہوڈس اور قبرص سمیت مشرقی بحیرۂ روم کے تمام جزیرے ترکوں کے قبضہ میں آگئے تھے، لیکن کریٹ ابھی تک ان کے قبضہ سے باہر تھا۔ اور وینس والوں کا اس پر اقتدار تھا۔ اس پر حملہ کی وجہ یہ ہوئی کہ مالٹا کے مسیحی مبارزین نے جو بحیرۂ روم میں بحری قزاقی کیا کرتے تھے ترکی جہازوں کے ایک بیڑے کو جو استنبول سے مصر جا رہا تھا، گرفتار کر لیا۔ اور اسے لیکر کریٹ کے شمالی ساحل پر لنگرانداز ہوئے۔ ترکوں نے فوراً جوابی کاروائی کی اور کریٹ پر حملہ کر دیا۔ کریٹ کی مہم نے کافی طول کھینچا، لیکن اولیا چلپی نے صرف قلعہ ہانیا کی مہم میں شرکت کی اور قلعہ کے فتح ہونے کے بعد اسی سال یعنی ۱۰۵۵ھ/۱۶۴۵ء میں استنبول واپس آگیا۔

۵۔ اولیا چلپی کا پانچواں سفر خاصا طویل ہے۔ جس کے دوران اس نے تبریز اور باکو تک سیر کی۔ سلطان کی طرف سے محمد پاشا کو ارض روم کا والی مقرر کیا جاتا ہے۔ اولیا چلپی کو محمد پاشا کا موذن، مصاحب اور کسٹم کلرک مقرر کیا جاتا ہے چنانچہ وہ والی محمد پاشا کے ساتھ

۱۲ ستمبر ۱۶۴۶ء کو استنبول سے روانہ ہوتا ہے۔ ازمت، چنکیری، اماسیہ، نکسار اور شمالی اناطولیہ کے بیشتر شہروں اور قصبوں کی سیر کرتا ہوا ارض روم پہنچتا ہے۔ وہاں سے ایرانی سفیر کے ساتھ وہ تبریز جاتا ہے، تبریز سے آذربائیجان کی سیر کرتا ہوا۔ باکو اور طفلیس تک جاتا ہے۔ اسی سفر کے دوران وہ قاصد کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ اور آرمینیہ کے حکمراں کے پاس ایک خط لے کر اریوان جاتا ہے۔ گرجستان کی ایک مہم میں بھی حصہ لیتا ہے۔ ۱۶۴۷ء کے اوائل میں جب محمد پاشا کو ارض روم سے معزول کر کے قارص کا والی مقرر کیا جاتا ہے۔ تو یہ نیا تقرر منظور نہیں کرتا۔ اور استنبول کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔ اولیا چلبی بھی واپس ہو جاتا ہے۔ لیکن راستے میں محمد پاشا کو ایک بغاوت کچلنے کا حکم ملا۔ اس موقع پر اولیا چلبی قاصد کے فرائض انجام دیتا ہوا برف کے طوفان کی وجہ سے راستہ کھو جاتا ہے۔ اور باغیوں کے ہاتھ آجاتا ہے۔ بالآخر ۱۶۴۷ء کے موسم گرما میں وہ استنبول پہنچ جاتا ہے۔

۶۔ ۱۶۴۸ء میں اولیا کے والد کا ایک سو سترہ (۱۱۷) سال کی عمر میں انتقال ہو جاتا ہے۔ میراث کے مسائل حل کرنے کے بعد اولیا شام کے والی مرتضیٰ پاشا کے ساتھ وابستہ ہو کر اگست ۱۶۴۸ء کو شام کی سیر کے لیے روانہ ہوتا ہے۔ اکتوبر میں دمشق پہنچتا ہے۔ مرتضیٰ پاشا پہلا شخص کو مختلف سرکاری کام پر لگا دیتا ہے جس کی وجہ سے اولیا کو بیروت، صیدا، غزہ، وغیرہ کی سیر کا موقع ملا۔

اس کے بعد جب مرتضیٰ پاشا کو شام سے ہٹا کر سیواس بھیجا جاتا ہے۔ تو اولیا اس کے ساتھ سیواس چلا جاتا ہے۔ اور ٹیکس کی وصولی کے سلسلے میں وسطی اور مشرقی اناطولیہ کی سیر کرتا ہے۔ مرتضیٰ پاشا کی معزولی کے بعد اولیا چلبی ۱۴ جولائی ۱۶۵۰ء کو استنبول آجاتا ہے۔

۷۔ اب تک اولیا چلبی کی سیاحت ایشیائے کوچک، شام، ایران، آذربائیجان،

داغستان، گرجستان اور کریمیا تک محدود تھی۔ اب وہ اپنے ساتویں سفر میں یورپ میں بلغاریہ اور عثمانی سلطنت کے دوسرے یورپی مقبوضات کی پہلی مرتبہ سیر کرتا ہے۔ دراصل اس کے رشتہ دار ملک احمد پاشا کے ۵ اگست ۱۶۵۰ء کو سلطنت عثمانیہ کے وزیر اعظم ہو جانے سے اولیا کو بہت فائدہ پہنچا۔ اگرچہ اس کی مدت وزارت صرف ایک سال رہی لیکن اس کے بعد وہ کریمیا اور بوسنیہ کے درمیان واقع سرحدی علاقے اوزی (OZI) اور پھر رومیلی کا والی مقرر ہو گیا۔ اولیا چلبی اس ساری مدت میں ملک احمد پاشا کے ساتھ رہا اور اس نے اس دوران میں بولینڈ، سلسترے، صوفیہ، بابا داغ اور عثمانی سلطنت کے یوروپی مقبوضات کے متعدد شہروں اور دیہات کی سیر کی اور اپنے سفرنامہ کی پانچویں جلد میں وہاں کے حالات دلچسپ انداز میں لکھے۔ جولائی ۱۶۵۳ء میں جب وہ استنبول آیا تو کافی تھک چکا تھا۔ چنانچہ وہ ۱۶۵۵ء کے آغاز تک استنبول ہی میں رہا۔ اور زیادہ وقت آرام کرنے اور استنبول کی سیر گاہوں میں گزارا۔

۸۔ ۱۶۵۵ء میں اولیا چلبی ترکی کے مشہور تاریخی شہر اور سلاجقہ روم کے صدر مقام قونیہ کی مختصر سیر کرتا ہے۔ دراصل ایک امیر البشیر مصطفیٰ پاشا کو خط پہنچانے کے لیے اس کو بطور قاصد قونیہ بھیجا گیا تھا۔

۹۔ اس دوران میں احمد پاشا کا تقرر وان کے والی کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ جو ایران کی سرحد پر ترکی کا ایک شہر ہے۔ اولیا اس کے ساتھ وان چلا جاتا ہے۔ اور اس طرح اس کو مشرقی اناطولیہ کے ایک بڑے حصے کی سیر کا موقع مل جاتا ہے۔ اس سفر کے دوران میں وہ کئی نئے مقامات دیکھتا ہے۔ جن کو پہلے نہیں دیکھ سکا تھا۔ اس زمانے میں کچھ کرد قبیلوں نے جو یزیدی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ بغاوت کر رکھی تھی۔ یزیدی عجیب و غریب مذہب ہے۔ جس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، یزیدیوں کے

آغاز اور ان کے عقائد کے بارے میں اختلافات کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب اور عقیدوں کو چھپاتے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کو یزید بن معاویہؓ سے نسبت دیتے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ اس فرقہ کا بانی ایک شخص یزید بن انیس خارجی تھا۔ یہ شخص بصرہ میں پیدا ہوا تھا اور موصل کے نواح میں اس کو کامیابی ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو یزید نامی کسی شخص کے پیرو ہونے کی وجہ سے یزیدی نہیں کہا جاتا، بلکہ یہ نام فارسی لفظ ایزد اور یزدان سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی بھلائی اور خیر کا خالق ہیں۔ یزیدیوں کے عقیدے کے مطابق خیر کا خالق شر پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے یزدان سے یعنی خیر کے خالق سے نہ تو ڈرنا چاہئے اور نہ اس کی عبادت کرنی چاہئے۔ ڈرنا صرف شیطان سے چاہئے۔ جو شر کا خالق ہے۔ اور اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔ چنانچہ یہ لوگ خود کو ابلیس کا بندہ کہتے ہیں۔ اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اور ابلیس کا نام انھوں نے ملک طاؤس رکھا ہے۔

بعض باطنی اور علوی روایتوں کے مطابق یزیدی مذہب کا بانی موصل کے دیہات سے تعلق رکھنے والا ایک شخص شیخ عدی تھا۔ لیکن یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ شیخ عدی کا گیارہویں صدی میں انتقال ہوا۔ جب کہ یزیدی مذہب آٹھویں صدی میں ظہور میں آچکا تھا۔ شیخ عدی نے تصوف کے ایک طریقہ کی بنیاد رکھی تھی۔ جسے عدویہ اور صحبتیہ کہتے ہیں۔ لیکن بعد میں اس طریقہ کے پیرووں نے یزیدی مذہب اختیار کر لیا۔ اور جس طرح شیخ عدی یزیدی مذہب میں بنیادی جگہ دیدی گئی۔ یزیدی آواگون یعنی تناسخ کے قائل ہیں۔ چہرے پر استرا نہیں لگاتے۔ اور مچھلی اور ہرن کا گوشت نہیں کھاتے۔ اس مذہب کے کچھ پیرو موصل سے جنوبی ترکی کے صوبہ سعرت میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کی اکثریت عراق و عظام کے ان اضلاع میں ہے۔ جو ترکی سے ملحق ہیں۔

اولیا چلیبی نے احمد پاشا کے قاصد کی حیثیت سے یزیدیوں کے علاقہ میں فرائض انجام دئے اور اس طرح اسکو ان کے درمیان گھومنے پھرنے کا موقع مل گیا۔ اس زمانے میں کچھ ایرانی بھیڑوں کے گلوں کو عثمانی سلطنت کی حدود سے بھگا کر ایران لے گئے تھے۔ اولیا کو انھیں واپس لانے کے لیے ایران بھیجا گیا۔ اس کے سپرد دوسرا کام یہ تھا۔ کہ بغداد کے والی مرتضیٰ پاشا کے بھائی کو جو ایرانیوں کی قید میں تھا۔ واپس لائے۔ چنانچہ اولیا پہلے وان سے ایران گیا۔ اور وہاں سے بغداد آیا۔ اور پہلی مرتبہ اس تاریخی شہر کو دیکھا۔ جو ایرانیوں اور ترکوں کے درمیان عرصہ تک وجہ نزاع بنا ہوا تھا۔ لیکن ۱۶۳۹ء میں مراد چہارم نے اس کو ایرانیوں سے چھین کر عثمانی سلطنت کا مستقل حصہ بنا دیا تھا۔ اولیا جب بغداد سے وان واپس پہنچا تو احمد پاشا کو ایک بار پھر اوزی (OZI) کا والی بنا دیا گیا۔ چنانچہ اولیا چلیبی اس کے ساتھ استنبول واپس آگیا۔

۱۰ - ۲۶ جولائی ۱۶۵۷ء کو اولیا چلیبی استنبول سے پھر سیر کے لیے نکلا۔ سب سے پہلے وہ بلغاریہ کے شہر سلسترے گیا پھر وہاں سے رومانیا ہوتا ہوا کریمیا گیا۔ یہ کریمیا کا دوسرا سفر تھا۔ اس کے دوران اس نے کریمیا کے خان محمد گرائی کی ملازمت کر لی اور روسیوں کے خلاف کئی لڑائیوں میں شرکت کی۔ آخر میں رومانیا اور بلغاریہ کی اچھی طرح سیر کرنے کے بعد ۴ ربیع الاول مطابق ۱۰ دسمبر ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء کو استنبول واپس آگیا۔ اسی زمانہ میں اولیا کا محمد کوپرولو سے تعلق پیدا ہوا۔ جسے سلطنت کی بگڑتی ہوئی صورت حال کو سنبھالنے کیلئے سلطان محمد چہارم نے ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۶ء میں سلطنت عثمانیہ کا وزیر اعظم مقرر کیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ محمد کوپرولو اور اس کے بعد اس کے بیٹے احمد کوپرولو (۱۶۶۱ء تا ۱۶۷۶ء) نے سلطنت عثمانیہ میں نئی جان ڈالدی اور ان کے دور میں نہ صرف یہ کہ مملکت کا انتظام بہتر ہو گیا، بلکہ عثمانی سلطنت کی حدود میں آخری اضافہ بھی اسی دور میں ہوا۔ اولیا چلیبی نے بھی

اس دور میں کئی بڑی مہموں میں حصہ لیا۔ اور ایک مرتبہ ایک دستہ کے ساتھ وسطی یورپ تک چھاپہ مارا۔

۱۱۔ اولیا چلبی کا گیارھواں سفر بھی بہت اہم ہے۔ وہ پہلے بروصہ اور وہاں سے چناق قلعہ (دردانیال)، اور گیلی پولی گیا۔ پھر مولڈاویا (رومانیہ) کے نئے باجگذار حکمراں کو واپس لیجانے والے قافلے کے ساتھ ادرنہ سے ۹ نومبر ۱۶۵۹ء کو رومانیہ کے سفر پر روانہ ہوا۔ اس موقع پر اس نے کریمیا کے سواروں کے ساتھ ملکر ولاچیا اور دوسرے حصوں میں کئی، چھاپہ مار جنگوں میں شرکت کی۔ اس کے بعد وہ ادرنہ واپس آگیا۔ اور وہاں سے بوسنیا (یوگوسلاویا)، گیا اور وہاں کے چپہ چپہ کی سیر کی اور وینس کے علاقوں پر چھاپہ مارا۔ اس بعد بوسنیا کے والی ملک احمد کے ساتھ صوفیہ (بلغاریہ)، آگیا جو اب روملی کا والی ہو گیا تھا۔ اس زمانہ میں اولیا نے ہنگری اور ٹرانسلوانیہ (رومانیا) کی سیر کی اور کریمیا کے غازیوں کے ساتھ ملکر سرحدی علاقوں پر چھاپے مارے۔ اولیا نے موسم سرما بلغراد میں گزارا۔ اور مال گزاری وصول کرنے کے لیے البانیہ تک گیا۔ پھر وہاں سے ۱۴ اپریل ۱۶۶۲ء کو استنبول واپس آگیا۔

یورپ کی سیر

۱۲۔ اولیا چلبی کا بارھواں سفر جس میں پانچ سال صرف ہوئے۔ بڑا طویل، دلکش اور ولولہ انگیز ہے۔ لیکن اس کے بعض حصے متنازعہ ہیں۔ احمد کوپرولو نے ۱۶۶۳ء میں ایک زبردست فوج کے ساتھ آسٹریا پر حملہ کیا۔ اور اگرچہ یکم اگست ۱۶۶۴ء میں ترکوں کو سینٹ گوتھرڈ (آسٹریا)، کی جنگ میں شکست ہوئی لیکن آسٹریا کے کئی سرحدی مقامات عثمانی سلطنت میں شامل کر لئے گئے۔ جن میں ایک اویوار (UYVAR) کا شہر بھی تھا۔ اولیا چلبی نے ان جنگوں میں بحیثیت ایک سپاہی کے حصہ لیا۔ اور کریمیا کے چالیس ہزار سواروں کے ساتھ اویوار سے گزر کر اندرون یورپ ایک زبردست چھاپہ مارا، اور بوہیمیا (چیکوسلواکیہ)

سے ہوتا ہوا ہالینڈ تک پہنچ گیا۔ اس چھاپے میں مال غنیمت کے طور پر ستر ہزار قیدی، اور ہزاروں گھوڑے اور بکثرت سامان ہاتھ آیا۔ لیکن ترک محقق جاوید بائیسون (BAYSUN) نے اولیا کے اس دعوے پر شک کا اظہار کیا ہے۔ اس مہم کے دوران اولیا چلبی قاصد کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ اور بلغراد سے سہراب محمد پاشا کے لیے خطوط لے کر وینس تک سفر کرتا ہے۔ پھر ہنگری واپس آکر کئی جنگوں میں حصہ لیتا ہے۔ اور نو مفتوحہ قلعوں کی سیر کرتا ہے۔ اس کے بعد قرہ محمد پاشا کے ساتھ جس کو عثمانی حکومت کی طرف سے سفیر بنا کر ویانا تک بھیجا گیا تھا۔ اولیا چلبی بھی ویانا جاتا ہے۔ وہ ۹ جون ۱۶۶۵ء سے ۲۹ جون ۱۶۶۶ء ویانا میں رہا۔ اولیا چلبی نے اپنے سفرنامے میں ویانا اور وینس کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔

ویانا میں قیام کے دوران اس نے اپنے ٹوٹے ہوئے دانتوں کی جگہ مصنوعی دانت لگوائے۔ اس کے علاوہ اس نے آسٹریا کے شہنشاہ لیوپولڈ اول اور جنرل مونٹے کوکولی سے بھی ملاقات کی جو سینٹ گوتھرڈ کی جنگ میں آسٹریا کی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ اولیا چلبی نے شہنشاہ آسٹریا سے پاسپورٹ حاصل کیا۔ اور یورپ کے طویل سفر پر روانہ ہو گیا جس کے دوران اس نے برانڈنبرگ، ہالینڈ، ڈنمارک اور اسپین تک یورپ کی سیر کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن اس نے اپنے سفرنامے میں ویانا کے بعد چند منزلیں گنانے کے علاوہ باقی سیاحت کے بارے میں کوئی معلومات فراہم نہیں کیں اور سفرنامہ کے قلمی نسخے میں آخری صفحات خالی چھوڑ دئے گئے ہیں، جاوید بائسون نے وسط یورپ پر چھاپہ مار مہم کی طرح اس سفر کو بھی اولیا چلبی کی غلط بیانی قرار دیا ہے۔ لیکن جرمن محقق ہمیر کو یقین ہے کہ اولیا نے یورپ کا سفر کیا تھا۔

جاوید بائیسون لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں اولیا چلبی ٹرانسلوانیا، ولاچیا اور اق کرمان (مولڈیا) کی سیر کرتا ہوا کریمیا چلا جاتا ہے۔ وہاں سے خشکی کے راستے قفقاز جاتا ہے۔ اگرچہ اولیا چلبی نے قازان اور روس کے اندرونی

حدوں تک جانے کا بھی دعویٰ کیا ہے، لیکن جاوید پائیسوں نے اس میں شک کا اظہار کیا ہے۔ داغستان اور بحیرۂ خزر کا ساحلی علاقہ دیکھنے کے بعد وہ تیرک قلعہ آتا ہے۔ اور یہاں ایک روسی ایلچی کے قافلہ میں شریک ہو کر ازاق پہنچ جاتا ہے۔ پھر کافہ کی سیر کرتا ہوا باغچی سرائے جاتا ہے۔ یہ اس کا کریمیا کا تیسرا سفر تھا۔ اولیا کریمیا میں عادل گرائی کی بعض مہموں میں بھی حصہ لیتا ہے۔ اولیا چلیبی نے چونکہ بحیرہ اسود میں سفر کرنے سے توبہ کر لی تھی۔ وہ خشکی کے راستے سفر کر کے ۲۱ ذیقعدہ مطابق ۱۱ مئی ۱۰۷۸ھ/۱۶۶۸ء کو استنبول پہنچتا ہے۔

اولیا چلیبی نے اس سفر میں ایک جگہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ۱۶۶۵ء سے ۱۶۶۸ء تک ڈھائی سال تک یورپ کی سیر کی اور دوسری جگہ اس مدت میں وہ اپنے کریمیا کے سفر اور روس کے سفر کا حال لکھتا ہے۔ اس لیے محققین نے اس تضاد بیانی کی وجہ سے اس کے سفر یورپ سے انکار کیا ہے۔ اولیا چلیبی نے سیاحت نامہ کی چھٹی جلد میں صرف ہنگری اور جرمنی کے واقعات سے بحث کی ہے۔

۱۳ - یورپ اور روس کے طویل سفر کے بعد اولیا چلیبی چند ماہ استنبول میں آرام کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ ۲۶ دسمبر ۱۶۶۷ء کو براہ ادرنہ یونان کے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔ سالونیکا، تھسلی، یونان کی سیر کرتا ہوا انابولو پہنچتا ہے۔ جو جزیرہ نما موریا کی بندرگاہ ہے۔ کریٹ کے جزیرے میں ۱۶۴۵ء سے جنگ جاری تھی۔ اور اگرچہ ترکوں نے تین سال میں بیشتر جزیرہ فتح کر لیا تھا۔ لیکن صدر مقام کینڈیا جس کا محاصرہ ۱۶۴۸ء میں شروع ہو چکا تھا یورپ سے امداد پہنچ جانے کی وجہ سے ابھی تک فتح نہیں ہو سکا تھا۔ ۱۶۶۷ء میں احمد کوپرولو کینڈیا کی مہم پر روانہ ہوا۔ اور پوری قوت سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اولیا چلیبی جب انابولو پہنچا تو جنگ شباب پر تھی۔ چنانچہ وہ انابولو سے جہاز کے ذریعہ کریٹ پہنچ گیا۔ اور جنگ میں شریک

ہو گیا۔ بالآخر ۲۶ ستمبر ۱۶۶۹ء کو اکیس سال کے محاصرے کے بعد کینڈیا فتح ہو گیا۔ اور پورا جزیرہ کریٹ ترکوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اولیا چلیبی کریٹ کی فتح میں شرکت کرنے اور جزیرے کی سیر کرنے کے بعد اپریل ۱۶۷۰ء میں پھر یونان آ جاتا ہے۔ اور البانیا اور ساحل ایڈریاٹک کی سیر کرنے کے بعد ۲۰ دسمبر ۱۶۷۰ء کو استنبول واپس پہنچ جاتا ہے۔

حج، مصر کی سیاحت اور وفات

۱۴ - کریٹ کی مہم سے واپسی پر جب اولیا چلیبی استنبول پہنچتا ہے۔ تو محسوس کرتا ہے۔ کہ وہ بہت تھک چکا ہے اور اب اس میں پرانی توانائی نہیں رہی۔ وہ لکھتا ہے، کہ جوانی میں جسم میں طاقت تھی تو میں جس چیز کو حاصل کرنے کا ارادہ کرتا تھا۔ اس کو حاصل کر لیتا تھا۔ گرمی اور سردی کا خیال کیے بغیر جس دیار کا ارادہ کرتا تھا پہنچ کر دم لیتا تھا لیکن اب وہ صورت نہیں رہی۔ اب وہ ۵۹ سال کا ہو چکا تھا۔ اور آخرت کا خیال بار بار آتا تھا۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اتنے ملک دیکھ چکا ہوں لیکن حج اب تک نہیں کیا۔ حج کا خیال بھی ایک خواب سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ شب قدر کے موقع پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی قبر کی زیارت کرنے کے بعد اپنے باپ اور استاد اولیا محمد آفندی کو خواب میں دیکھتا ہے جو اس کو حج کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کریٹ کی مہم سے واپس آنے کے پانچ ماہ بعد ہی ۱۲ محرم ۱۰۸۲ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۶۷۱ء کو تین دوستوں اور آٹھ غلاموں کے ساتھ حج کیلئے روانہ ہو جاتا ہے، وہ ایسا راستہ اختیار کرتا ہے جسے ابھی تک نہیں دیکھا تھا، مغربی اناطولیہ، جزیرہ ساکز (CHIOS) جزیرہ رہوڈس، استنبول جنوبی اناطولیہ، مرعش، اڈنہ اور عین تاب (جسے اب غازی عنتب لکھا جاتا ہے۔) ہوتا ہوا شام میں داخل ہوتا ہے۔ دمشق پہنچ کر بیلر بے حسین پاشا کے حاجیوں کے قافلے میں شامل ہو کر حجاز روانہ ہو جاتا ہے۔ مدینہ کی زیارت کرتا ہوا مکہ پہنچتا ہے۔ اور حج کرتا ہے۔ حج کے بارے میں اس نے اپنی کتاب کی نویں جلد میں تفصیل سے معلومات فراہم کی ہیں۔

حج کے بعد اولیا چلبی مصری حاجیوں کے قافلے کے ساتھ سوئز کے راستے مصر پہنچتا ہے۔ بڑھاپے اور ان مقامات کی سخت گرمیوں کے باوجود اس کے شوق سیاحت میں اب بھی کمی نہیں آئی تھی۔ مصر سے وہ ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲-۷۳ء میں سواکن (سوڈان)، اور مصوع (اری ٹیریا) گیا۔ اور اس دوران اس نے خوب دولت کمائی۔ اس نے نیل کے راستے اور خشکی کے راستے مصر میں کئی سفر کئے۔ اس کے سیاحت نامہ کی دسویں اور آخری جلد مصر اور سوڈان کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس دوران اس نے ایک مرتبہ اور حج کیا۔ قیاس ہے کہ وہ پھر وطن واپس نہیں آیا۔ اور مصر میں ۱۰۹۳ھ/۱۶۸۲ء کے قریب انتقال کیا، جادید بائیسون لکھتے ہیں۔ کہ اگر وہ مصر سے واپس آیا تھا۔ تو بھی استنبول میں معیت زادہ کی قبر کے پاس دفن کیا جانا ایک مفروضہ ہے۔

سیاحت نامہ اولیا چلبی کا سیاحت نامہ اپنی کمزوریوں کے باوجود معلومات کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔ وہ جن شہروں اور قصبوں میں گیا وہاں کی تاریخ اور جغرافیہ کے علاوہ مکانوں کی تعداد، مسجدوں، محلوں قلعوں، مدرسوں، کتب خانوں، کاروان سراؤں، حماموں، سبیلوں اور قدیم آثار کی تفصیل تعداد اور ان کے بارے میں دلچسپ معلومات فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ سیاحت نامہ تاریخی واقعات اور بعض لوگوں کے حالات زندگی کا بھی ایک اہم ماخذ ہے، سفرنامہ میں عوامی کہانیوں اقتصادی زندگی، لوگوں کی معاشرت، عادات اور رسم و رواج اور کھیل تماشوں کے متعلق جو معلومات ملتی ہیں۔ ویسی معلومات کم سفرناموں میں ملیں گی۔ ہاں اولیا چلبی کی کمزوری یہ ہے۔ کہ وہ مبالغے سے کام لیتا ہے۔ اعداد و شمار اور سال و تاریخ لکھتے وقت احتیاط سے کام نہیں لیتا اور بعض اوقات غلط بیانی کو بھی کام لیتا ہے، یہ غلط بیانی قصداً کرتا ہے، یا کسی اور وجہ سے ایک ایسا مسئلہ ہے جو ابھی تحقیق طلب ہے۔

سترہویں صدی عیسوی، اسلامی دنیا کے سیاسی عروج کی آخری صدی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی صحیح ہے کہ زوال کی قوتیں اسی صدی میں عروج پر . . .

پہنچ چکی تھیں۔ ترکوں میں اس کا احساس شاید سب سے پہلے پیدا ہوا۔ قوچی بے کا رسالہ اور حاجی خلیفہ کی تحریریں اس کا ثبوت ہیں اولیا چلبی کا مشاہدہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتا ہے :-

"یہ حقیر جہاں گشت نظر بصیرت سے ہفت اقلیم کے جن ملکوں کی سیر کر چکا ہے۔ ان میں کا [illegible]ستان سے زیادہ آباد کوئی ملک نہیں دیکھا اور اسلامی ملکوں سے زیادہ ویران کوئی ملک نہیں دیکھا۔ یہ کافر و فاجر مشرک اپنے باطل دین پر جان دیکر اپنے کلیساؤں کو آباد رکھتے ہیں۔ اور ان کے ایک ایک پیسے کو خرچ کرتے وقت مریمؑ و عیسیٰؑ سے ڈرتے ہیں۔ لیکن ہمارے علماء حاکم اور متولی اللہ کے اوقاف کو شیر مادر کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔"

اولیا کے یہ مشاہدات عثمانی سلطنت تک محدود ہیں۔ اگر اس کو مشرق میں آنا ہوتا۔ اور وہ اسلامی ہند اور پاکستان کی سیر کرتا تو شاید یہ بات نہ کہتا۔ اس صدی میں اسلامی ہند بھی رو بہ زوال ہو چکا تھا۔ لیکن مغربی سیاحوں کے مشاہدوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حالات اتنے خراب نہیں ہوئے تھے، کہ کوئی سیاح یہ کہتا کہ یورپ کے ملک آباد ہیں اور اسلامی ہند ویران ہے۔

سیاحت نامہ کے قلمی نسخے اولیا چلبی کے سیاحت نامہ کے قلمی نسخے ترکی کے کئی کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ چند اہم نسخے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ملت کتب خانہ، فاتح (استنبول)، میں پرتو پاشا کی کتابوں میں شمارہ ۴۵۷ اور ۴۶۲ کے درمیان۔

۲۔ سلیمانیہ کتب خانہ (استنبول)، میں بشیر آغا کی کتابوں میں شمارہ ۴۴۸ تا ۴۵۲

۲۔ توپ قاپی سرائے میں بغداد کوشک اور رواں کوشک کے کتب خانوں میں
شمارہ نمبر ۳۰۱، نمبر ۳۰۳، ۳۰۴، نمبر ۳۰۵ اور نمبر ۳۰۹ پر۔

سیاحت نامہ کے بعض دوسرے نسخے دوسرے کتب خانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

سیاحت نامہ کی مختلف جلدوں کے مضامین کی ترتیب اس طرح ہے۔

پہلی جلد :۔ استنبول کی تاریخ، مختلف قوموں اور آل عثمان کے معاصروں اور فتح استنبول کا حال۔ استنبول کے مقدس مقامات، مساجد، ہر بادشاہ کے دور سے متعلق واقعات کا خلاصہ سلیمان اعظم کا قانون نامہ، اس دور میں تقسیم مملکت، مدرسوں، دارالحدیثوں خانقاہوں، لنگرخانوں، شفاخانوں، کاروان سرائوں، سبیلوں، حماموں اور امراء وزراء کی حویلیوں کی تفصیل کے علاوہ محمد فاتح کے زمانے سے سلطان ابراہیم (سنہ ۱۶۴۰ء تا ۱۶۴۸ء) کے زمانہ تک وزیروں، عالموں، نشانچیوں کے حالات بھی لکھے گئے ہیں۔ استنبول کے توپخانوں زرسازوں اور صنعتوں اور دستکاریوں کا حال بھی اسی جلد میں ہے۔

دوسری جلد :۔ دولت عثمانیہ کے قیام کی تاریخ اور ادرنہ اور بروصہ کے حالات پر مشتمل ہے، ان شہروں کی مسجدوں، مقبروں، وزیروں، عالموں، قاضیوں اور زیارت گاہوں کے تذکرے کے بعد ترابزون اور اس کے نواحی علاقوں، اباز اقبائل کی ریاست گرجستان اور ان علاقوں سے متعلق بیشمار واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

تیسری جلد :۔ شام اور بلغاریہ کے سفر کی روداد ہے، اس کو دار سے شام تک کے راستے پر واقع شہروں، قصبوں، اہم مقامات اور دیہات کا حال ہے۔ آخر میں بلغاریہ کے شہر نکوپولس، سلسترے۔ بابا داغ، فلبی، صوفیہ کے حالات پیش کئے گئے ہیں۔ اس جلد میں شہر ادرنہ کے بارے میں جو بروصہ کے بعد عثمانیوں کا دوسرا دارالخلافہ تھا۔

تفصیلی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

چوتھی جلد :۔ مشرقی ترکی، عراق اور آذربائیجان کے سفر کی روئیداد پر مشتمل ہے۔ ایران میں جو سفارتی فرائض انجام دئے تھے، اس کا بھی تذکرہ ہے۔

پانچویں جلد :۔ اس میں توقات اور کردستان کے دلچسپ واقعات بیان کرنے کے بعد وہ کریمیا اور رومانیا کے درمیانی علاقہ ازوز (OZU) اور پولینڈ کی سیر کے واقعات بیان کرتا ہے، اس کے بعد چناق قلعہ (دردانیال)، اور گیلی پولی کا حال بیان کرنے کے بعد بغدان (مولڈاویا) کی مہم کا حال لکھتا ہے۔ آخر میں اس نے یوگوسلاویا۔ اور وینس کی سیر کا حال لکھا ہے۔ بلغراد، اشکپ اور تمیشوار کے حالات اس جلد میں ہیں۔

چھٹی جلد :۔ پوری کتاب صرف ہنگری اور جرمنی سے متعلق ہے۔

ساتویں جلد :۔ آسٹریا، کریمیا، قفقاز، داغستان، قپچاق اور چرکستان (سرکیشیا) کے حالات پر مشتمل ہے۔

آٹھویں جلد :۔ کریمیا، کریٹ، یونان وغیرہ کے حالات پر مشتمل ہے۔

نویں جلد :۔ اس میں استنبول سے حجاز تک کے سفر، حج اور حرمین سے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں۔

دسویں جلد :۔ پوری جلد مصر، سوڈان اور نواحی علاقوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

مطبوعہ نسخے :۔ ایک دلچسپ اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ اولیا چلیبی اور اس کے سیاحت نامہ کا حال انیسویں صدی سے پہلے کسی تاریخ یا ادبی تذکرے میں نہیں ملتا اس کی وجہ بتائی جاتی ہے کہ اس نے سیاحت نامہ میں عام فہم ترکی زبان استعمال کی ہے۔ جب کہ موجودہ صدی سے قبل ترکی کے ادبی حلقوں میں، عربی فارسی الفاظ سے مرصع زبان ادبی زبان سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے ترک ادیبوں اور تذکرہ نگاروں نے سیاحت نامہ کی زبان کو بازاری زبان سمجھ کر اہمیت نہیں دی۔ سیاحت نامہ کا پہلی مرتبہ جرمن مستشرق ہیمر نے

انیسویں[19] صدی میں ذکر کیا۔ اور اولیا چلبی کا مختصر حال بھی لکھا۔ ہیمر کے اس ابتدائی تعارف کے بعد لکھنے والوں کی توجہ اولیا کی طرف ہوئی۔ چنانچہ ترک ادیب اور مصنف شمس الدین سامی کی قاموس العالم میں جس کی چھ جلدیں ۱۸۸۹ء اور ۱۸۹۳ء کے درمیان شائع ہوئیں، بیس سطروں میں اولیا چلبی کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ محمد ثریا کی سجل عثمانی (۱۸۹۳ء) اور محمد طاہر بروصالی کی عثمانی مولفلری (۱۹۲۴ء) میں بھی اولیا کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد مغربی مستشرق بابنگر نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

سیاحت نامہ کے مکمل طور پر شائع ہونے سے پہلے ۱۸۴۳ء میں قاہرہ کے مطبع بولاق سے "منتخبات اولیا چلبی" کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا گیا تھا۔ مقدمہ اور استنبول سے متعلق چند اقتباسات کے علاوہ سیاحت نامہ سے عکا کے ایک جادوگر کی کہانی اور ایسی ہی چند دوسری افسانوی کہانیاں بیان کی گئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اولیا چلبی کو مبالغہ نگار اور خیال پرست اور سیاحت نامہ کے کام نہ آنیوالی کتاب کا خیال اسی رسالے کی وجہ سے عام ہوا۔

سیاحت نامہ پہلی مرتبہ ترک محقق نجیب عاصم کی کوشش اور اقدام گزٹ کے مالک احمد جودت بے کی محنت سے ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں استنبول میں چھپنا شروع ہوا۔ اور اس کی پہلی چار جلدیں اسی سال شائع ہوگئیں۔ یہ اشاعت پرتو پاشا کے کتب خانہ کے نسخہ پر مبنی تھی، پانچویں جلد ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں چھپی۔ چھٹی جلد ہنگری کی اکاڈمی کی مدد سے ڈاکٹر کراکسن (KARACSON) کی بعض تصحیحات کے ساتھ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ ابتدائی چھ جلدیں جب شائع ہوئیں تو مملکت میں سخت سنسرشپ لگی ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے کتاب کے کئی حصے نکال دیے گئے۔ اس کے علاوہ زبان میں بھی بڑی تبدیلیاں کی گئیں۔ ۱۹۲۸ء میں ترک تاریخی انجمن نے ساتویں اور آٹھویں جلدیں تنقیدی نوٹس کے ساتھ شائع کیں۔ اس کے بعد وزارت معارف (تعلیم) نے ۱۹۳۵ء میں نویں جلد

اور ۱۹۳۸ء میں دسویں جلد شائع کی۔ آخری جلد میں پیری رئیس کی کتاب بحریہ سے لیکر قاہرہ اور اسکندریہ کے نقشے بھی شامل کئے گئے۔ یہ آخری دو جلدیں لاطینی رسم الخط میں شائع کی گئی ہیں۔ اور عربی سے لاطینی میں نقل کرنے میں اس قدر غلطیاں کی گئی ہیں کہ ان کی افادیت کم ہوگئی ہے۔ زبان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

دس جلدوں پر مشتمل سیاحت نامہ کی آٹھ جلدیں عربی رسم الخط میں اور ہر جلد تقریباً چھ چھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس طرح کل پانچ ہزار صفحات ہوتے ہیں۔ نویں اور دسویں جلدیں زیادہ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اور اس طرح پورا سیاحت نامہ تقریباً سات ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد سے اب تک سیاحت نامہ کی تلخیص اور اقتباسات پر مشتمل بیشمار مجموعے لاطینی رسم الخط میں ترکی میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور ایک مکمل مجموعہ بھی شائع ہوگیا ہے۔ ان میں سے چند اہم حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اولیا چلبی سیاحت نامہ مرتبہ رشاد اکرم کوچو (۱۹۰۵ء تا ۱۹۷۵ء) یہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اور ۱۹۴۳ء اور ۱۹۵۱ء کے درمیان شائع ہوا۔ اس کے علاوہ رشاد اکرم نے سیاحت نامہ کی چھ ابتدائی جلدوں کا انتخاب سات سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب کی شکل میں بھی شائع کیا۔

۲۔ سیاحت نامہ مرتبہ مصطفےٰ نہاد اوزون (۱۸۹۶ء تا ۱۹۸۰ء)، یہ تین جلدوں پر مشتمل انتخاب ہے جو ۱۹۴۴ء اور ۱۹۴۵ء کے درمیان شائع ہوا۔ پہلی چھ جلدوں میں سنسر کی طرف سے جو ٹکڑے نکال دئے گئے تھے۔ ان کے ایک حصہ کو بھی مصطفےٰ نہاد نے کتابی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔

۳۔ محمد آق صوئے اور ممدور اسکیت نے ۱۹۶۲ء میں ایک مجموعہ مرتب کیا جس میں سیاحت نامہ کے خوبصورت ترین حصے یک جا کر دئے۔

۴۔ سیاحت نامہ سندن سچمہ لر (سیاحت نامہ سے انتخابات) از نہال آتسخ یہ دو جلدوں میں پورے سیاحت نامہ کا انتخاب ہے۔ اور اسے ترکی کی وزارت تعلیم نے ۱۹۷۱ء اور ۱۹۷۲ء میں شائع کیا تھا۔ اس کی پہلی جلد راقم الحروف کے پاس ہے۔

۵۔ ۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۷ء کے درمیان مصطفیٰ ہناد کی ایک اور کتاب۔ GOR-DUKLERIM۔ (میرے مشاہدات) کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے جو سیاحت نامہ کے اقتباسات اور مرتب کی وضاحتوں پر مشتمل ہے، یہ کتاب بھی راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

۶۔ سیاحت نامہ مرتبہ توفیق تمل کوران (Temel Kuran) اور نجاتی آق تاشش (AKtarh) اس کتاب میں مرتبین نے سیاحت نامہ کی ابتدائی چھ جلدوں کو دو ہزار ایک سو چھتر صفحات پر مشتمل تین جلدوں میں جدید ترکی میں منتقل کیا ہے۔ اور غالباً یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ یہ تین جلدیں ۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئیں۔

۷۔ سیاحت نامہ مرتبہ ظہوری دانش من (۱۹۰۲ء اور ۱۹۷۱ء) یہ شاید جدید ترکی میں سیاحت نامہ کا مکمل ترین ایڈیشن ہے۔ جو پندرہ جلدوں میں ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۱ء کے درمیان شائع ہوا۔ راقم حروف نے اس کی دس جلدیں ۱۹۷۵ء میں اسلام آباد میں ترکی سفارت خانہ میں دیکھی تھیں، اور اس کی پہلی جلد سے خصوصاً مقدمہ سے استفادہ بھی کیا ہے۔ ظہوری دانش من نے اس کو احمد جودت کے شائع کردہ نسخے کو سامنے رکھ کر مرتب کیا ہے۔ اور توپ قاپی سرائے کی بغداد کوشک کے کتب خانہ میں سیاحت نامہ کے جو قلمی نسخے ہیں ان سے مقابلہ بھی کر لیا ہے۔ اس طرح اس میں وہ حصے شامل کر لئے گئے ہیں جو سنسر کی وجہ سے سلطان عبدالحمید کے زمانے میں نکال دئے گئے تھے۔ مرتب نے حاشیوں میں ضروری وضاحتیں بھی کی ہیں۔ بغداد کوشک کے قلمی نسخوں کے نمبر ۳۰۱-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵ اور ۳۰۹ ہیں۔

اولیا چلبی پر سب سے اچھا محققانہ اور تنقیدی مضمون ترک ادیب پروفیسر جاوید بائیسون کا ہے۔ جو ترکی زبان کی اسلامی انسی کلو پیدیسی (اسلامی انسائیکلو پیڈیا) کی چوتھی جلد میں شایع ہوا ہے اور میں نے اس مضمون میں سب سے زیادہ استفادہ اسی مقالے سے کیا ہے۔ اسلامی انسا کلو پیدسی کی یہ جلدیں ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

راقم الحروف نے اس مضمون میں جعفر ارقلیچ (ERKILIC) کے کتابچہ اولیا چلبی سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، ایک سو سات صفحہ پر مشتمل یہ کتابچہ اولیا کے حالات اور سیاحت نامہ کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ اور ۱۹۶۹ء میں وارلک یا نیلری (مطبوعات وارلک) استنبول نے شائع کیا تھا۔

مکاتب شبلی جلد اوّل و دوم

معارف کی ڈاک

مدینہ منورہ، رجب ۱۴۰۷ھ

خلق مجسم، سید صباح الدین صاحب زید مجدکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

کل رسالہ معارف موصول ہوا، خوشی کیسی خوشی جیسی کسی دوست کے ساٹھ برس بعد ملنے کی ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ رسالہ اپنی وضع پر قائم ہے، یہ معمولی بات نہیں، اس ساٹھ برس میں کتنے طوفان آئے، کتنی آندھیاں چلیں، کتنی ریاستیں بنیں اور بگڑیں اور معارف بفضلہ تعالےٰ آج تک اسی سج دھج کے ساتھ جیسے پہلا تھا، یہ آپ حضرات کے صدق و اخلاص کی بات ہے اور اسکے بانیین صادقین کی، حیرت ہے اس کے خط میں آج تک فرق نہیں آیا، کاغذ میں تو آپ مجبور ہیں، لیکن درحقیقت اس میں بھی زیادہ فرق نہیں ہے، اور قلم کی یکسانیت اپنے اسی حسن ذاتی کے ساتھ یہ تو کمال نہیں معجزہ ہے سلمہا وسلمکم اللہ جمیعًا۔

اول تو رسائل ہی نہیں رہے، اس کے رفقاء میں کون باقی ہے، میرے خیال میں کوئی بھی نہیں، الناظر گیا، زمانہ گیا، مخزن پہلے ہی مرحوم ہو چکا تھا، پنجاب کے رسائل تو بن کھلے مرجھا گئے، جادو کسی شمار میں نہیں، دلگداز کا انداز جدا تھا، مگر یہ سب بھی تو چلے ہی گئے، ہماری جامعہ کا جامعہ اس کا چھوٹا بھائی کہلا سکتا ہے، مگر دہلی ہوتے ہوئے لوگ اس کے خط کو قائم نہیں رکھ سکے۔ مگر حضرت خیال رہے مجھے رسالہ کی خریداری مقصود ہے، مجھے اعزازی ہرگز نہیں چاہئے۔ تیس تو اس کی سادہ قیمت ہے، تین کا غالباً اس کا پوسٹیج تھا۔ ۱۲ × ۳ = ۳۶ روپے ہوئے

گویا ستر، مگر بھیجا کیسے جائے، بینک اتنی مقدار کے چک نہیں بناتے پھر صورت کیا ہوگی ایک مجموعی رقم میں آپ کو بھیج دوں، آپ تقسیم کر سکیں گے؟ یہ بوجھ ڈالنا بھی پسند نہیں۔

اللہ تعالےٰ آپ کو صحت و عافیت سے رکھے اور آپکے رفقا، کو بھی، یہ دیکھئے ہمارے رسالہ (معارف) کا سرورق بھی کتنا حسین ہے، سادہ و پر معنی، پتہ نہیں اس کا حسن آپ کو بھی محسوس ہوتا ہے یا نہیں میرے لیے تو یہ بڑا دلکش ہے، میرے سامنے رکھا ہوا ہے مجھے دیکھ دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔

سارے رسالے۔ اگر کوئی موجود ہے، اپنا مقام کھو چکے، معارف اپنے مقام پر قائم ہے، اللہ مغفرت فرمائے مولانا معین الدین صاحب کی اور مدد فرماتا رہے آپ کی۔

والسلام

محمد عبد الملک عبد القیوم جامعی

(۲)

گوہاٹی۔ ۱۸/۳/۱۹۸۷ء

محترمی و مکرمی سید صاحب

سلام مسنون

آپ کا نوازش نامہ ملا اور آپ کی کتاب بابری مسجد موصول ہوئی، شکریہ، جواب میں تاخیر کا سبب یہ ہے کہ میں شہر سے باہر چلا گیا تھا۔ پھر مصروفیت رہی کہ وقت پر جواب نہ دے سکا جس کے لیے شرمندہ ہوں۔

خدا آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے بہت بڑا کام کیا یعنی یہ کتاب لکھ کر ہمارے لیے دفاع کا سامان مہیا کر دیا۔ میں نے بہت سے اردو داں لوگوں کو کتاب دکھائی ان لوگوں نے

بڑے شوق سے پڑھا۔ اور کتاب کو سراہا۔ بہت سے لوگ جو نیشنل پریس کے پروپیگنڈہ کے شکار ہوگئے تھے، ان پر اس کتاب کے پڑھنے کے بعد اصل حقیقت آشکارا ہوگئی۔

کچھ حصہ کو اخبارات اور ہفتہ وار رسائل میں ترجمہ کرا کے شائع کرا دیا ہے، تاکہ لوگ صحیح حالات جان سکیں، خاص کر ہندو بھائیوں کے بیانات پڑھ کر لوگ بہت متاثر ہوئے کہ کس طرح لوگوں کے سامنے غلط بیانی سے کام لیا جا رہا ہے۔ اور تو اور بہت سے مسلمان اسی غلط فہمی میں تھے کہ مسلمان ہمیشہ کی طرح ہر بات کو جذباتی انداز میں لیتے ہیں، بابری مسجد کو بھی اسی انداز سے دیکھنے لگے، مگر خدا کا شکر ہے کہ اب حالات کافی بدل گئے ہیں۔ اور اب یکطرفہ بیانات اور غلط حکایات پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھتا جا رہا ہے اور بابری مسجد کے صحیح اور تاریخی حقائق سامنے آرہے ہیں۔ خدا کا شکر ہے۔

آپ کا ناچیز

(ڈاکٹر) محمد یحییٰ تمیزی۔

(ڈائریکٹر اسلامک ریسرچ سنٹر گوہاٹی آسام)

(۳)

دہلی

۲۶ مارچ ۸۸ء

مکرمی مولانا صاحب

السلام علیکم

آپ کا عنایت نامہ اور مالیاتی کمیٹی کی رپورٹ آج ہی ملی شکر گزار ہوں، دارالمصنفین جیسے علمی ادارہ کی جس سے جو خدمت بھی ہو جائے وہ خوشی کا باعث ہے، اعظم گڈھ میں ایک دن بڑا اچھا گذرا۔ اور آپ نے اور آپ کے رفیقوں نے مہمان نوازی میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، خدا آپ سب کو صحت و امان میں رکھے اور یہ عظیم ادارہ اپنی روایات کے

ساتھ ترقی کی راہ پر چلتا رہے۔

آپ کا مخلص

(حکیم) عبدالحمید

ہمدرد دواخانہ۔ دہلی

(۴)

زیدی ویلا نئی دہلی

۱۶ مارچ ۸۸ء

مکرمی جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں جناب حکیم عبدالحمید صاحب کے ساتھ ہوائی جہاز سے بخیریت دہلی پہونچ گیا۔ اس مرتبہ دارالمصنفین میں میرا بہت جی لگا۔ حکیم عبدالحمید صاحب کو واپسی کی عجلت تھی، اس لیے میں ان کے ساتھ چلا آیا ورنہ میرا تو جی چاہتا تھا کہ وہاں دو تین روز قیام کروں، دارالمصنفین کے نظم و نسق کو دیکھ کر دل بے حد خوش ہوا۔ اور دل سے یہ دعا نکلی کہ اللہ تعالے اس عظیم ادارہ کو اس کے بدخواہوں سے محفوظ رکھے، اور یہ اپنی پرانی شاندار روایت کے ساتھ کام کرتا رہے۔

آپ مجھ سے جس قسم کا تعاون چاہیں، بلا تکلف حاصل کر سکتے ہیں، اور ادارہ کی کوئی خدمت کر کے مجھ کو خوشی حاصل ہوگی۔

والسلام

(کرنل) بشیر حسین زیدی

(۵)

علی گڑھ

۱۰ اپریل ۸۸ء

محترمی و معظمی جناب سید صاحب مدعنایکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامۂ کرم نے حالات سے آگہی بخشی، تشویش ہے، اللہ تعالے افضل فرمائے۔ آمین اعوذ باللہ من شرور انفسنا وسیئات اعمالنا بجائے اطمینان و سکون کے فتنہ اور شر معاذ اللہ اھدنا الصراط المستقیم۔ آپ نے جس محنت، جانفشانی، دلسوزی اور شوق سے برسوں

دارالمصنفین کی خدمت کی اور حسن تدبر کا ثبوت دیا وہ لائق تحسین آفرین ہے، اتنے سال کی محنت، لگن کا کردگی، مولانا سید سلیمان ندوی صاحب مرحوم سے قلبی تعلق، معارف میں مضمون نگاری نظم و نسق کو بخوشی اسلوبی قائم رکھنا یہی وہ باتیں ہیں جنکی لوگوں کو قدر کرنی چاہیے۔ اور احسان ماننا چاہیے تو سب ہی کو معترف ہونا چاہیے، ناخوشی اور خفگی کی بظاہر وجہ نہیں ہو سکتی۔ جلسوں میں شریک ہو کر دارالمصنفین میں قیام کر گئے آپکی کارگزاری دیکھ کر اور مہمان نوازی سے ہمیشہ دل خوش ہوتا رہا۔ آپ بخیریت ہوں گے اور حسب معمول مصروف و مشغول۔ الحمدللہ میں اچھا ہوں

والسلام

عاجز حبیب الرحمٰن خان شروانی

(پرو چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

(۶)

علی گڑھ

۲۳ر مارچ ۱۹۸۶ء

محترمی سلام مسنون

میں قاہرہ میں تھا۔ لیکن دل برابر اعظم گڑھ میں تھا۔ مسلمانوں کا حال اب یہ ہو گیا ہے کہ کوئی نیا مفید کام شروع کرنا تو درکنار، جو کام ہو رہا ہے، اس میں بھی رخنے ڈالنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ آپ نے جس طرح شب و روز محنت کر کے دارالمصنفین کی علمی شہرت اور کارناموں کو باقی رکھا ہے، اس کو کوئی دیانت دار آدمی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالے آپ کو پوری صحت اور توانائی کے ساتھ عرصہ تک زندہ سلامت رکھے اور ادارہ کی خدمت کرنے کا موقع دے۔ مفصل پھر لکھوں گا۔

مخلص

خلیق احمد نظامی

(سابق صدر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

(۷)

نئی دہلی

۳ فروری ۱۹۸۶ء

مکرمی جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب السلام علیکم

دارالمصنفین کے حالات معلوم کر کے تشویش ہوئی۔ یہ ملت اسلامیہ کا ادارہ ہے، کسی خاص شہر یا طبقہ کا نہیں، میں مسلم انڈیا میں دارالمصنفین پر جلد ہی ایک مضمون لکھونگا۔ حال ہی میں اسکی جو علمی سرگرمیاں رہی ہیں، اس کے متعلق تفصیلی معلومات بھیجدیں۔ بابری مسجد آپ کا ایک عظیم کارنامہ ہے، اس میں آپ نے بعض باتیں ایسی لکھی ہیں جن کی طرف میری توجہ نہیں گئی ۱۸۵۷ء اور ۱۸۶۳ء کے مقدمے کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں بھجوا دیں، سیتا پاک[1] سے کیا مراد ہے۔ ذرا اس کی وضاحت کیجئے۔ والسلام

سید شہاب الدین۔ ام۔ پی

(۸)

دہلی

۳۰ر مارچ ۱۹۸۶ء

مخدوم مکرم و محترم السّلام علیکم

فروری ۱۹۸۶ء کا معارف اور گرامی نامہ مورخہ ۲۰ مارچ دونوں موصول ہوئے، اور دونوں نے حد درجہ ممنون و مسرور فرمایا معارف میں ذکر و فکر پر اعلیٰ درجہ کا ریویو ہے، آپ میرے بزرگ ہیں۔ اور ہندوستان کے لیے، شرف اور عزت کا سبب ہیں آپ کی ہمت افزائی سے کام کرنے کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے، ورنہ من ہماں خاکم کہ ہستم میں اس بات کے لیے بھی شکر گزار ہوں کہ آپنے دارالمصنفین کے خلاف جو کوششیں ہو رہی ہیں، ان سے مطلع فرمایا۔ اور مجھے اپنا سمجھا مجھے یقین ہے آپ کے استقلال اور خدمت کے جذبہ میں کسی قسم کی کمی نہیں آئے گی، "الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون۔" ان کا مقصد تو یہی ہے، کہ کام نہ ہو سکے اور سکون ذہنی برباد ہو جائے۔ اپنے بڑے مقصد پر نگاہ جمائے رہیئے اور تمام علایق سے بے نیاز ہو کر دارالمصنفین کے لیے دل و نگاہ و نفس اسی طرح لگا دیجئے جیسا کہ آپ نے اب تک لگایا ہے، اللہ تعالے کی مدد آپکے ساتھ ہے۔ اور سید صاحبؒ کی روح بادلوں میں سے جھانک رہی ہے، آپ اکیلے نہیں ہیں، برصغیر کے تمام علم دوست آپ کے ساتھ ہیں اللہ جل شانہٗ

[1] پاک سے مراد وہی پکائی چیز ہے۔ سیتاپاک کے معنی سیتا رسوئی گھر ہے۔

آپ کو تندرست، اور آپ کے قلم کو "جوان" رکھے۔

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم سے مجھے غیر معمولی عقیدت و ارادت ہے، میری آٹھ برس کی عمر تھی کہ انجمن اسلامیہ ہردوئی کے سالانہ جلسہ میں ایک تقریر کی، اور فرط جوش میں تقریر کرتے کرتے بے ہوش ہوگیا۔ مولانا احمد سعید دہلوی نے مجھے گود میں اٹھالیا۔ اور خطبات مدراس کا ایک نسخہ مجھے بطور اول انعام کے دیا۔ وہ کتاب اب بھی میرے سرہانے ہے۔ اور اس وقت سے اب تک اسے بارہا پڑھ چکا ہوں۔ لیکن سیری نہیں ہوتی، پھر پڑھوں گا، سید صاحب مرحوم و مغفور بڑے عالم اور بڑے ادیب ہی نہیں، بڑے انسان بھی تھے عفو و درگزر بھی انکا پایہ بلند تھا، انکی کتاب یاد رفتگان دیکھ رہا تھا، اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ علامہ شبلی کے خلاف جو تکفیر کا فتوی مرتب ہوا تھا اس پر مفتی کفایت اللہ مرحوم کے دستخط تھے، اسکے باوجود انھوں نے مفتی صاحب کو فقیہ الامۃ کہا ہے، اور انکے علو شان کی کھل کر تعریف کی ہے، براہ کرم لکھئے کہ یہ کفر کا فتوی کیوں دیا گیا تھا، اسکے الفاظ کیا تھے، اور اس محضر پر کس کس کے دستخط تھے؟

آپ کا مضمون یاد رفتگان پر بہت خوب ہے، اس پر تبصرہ کا حق بھی اسی کو ہے، جس میں اخلاق، شرافت، دلربائی اور ذوق ادب بدرجہ کمال ہو۔ ع عالم میں تم سے لاکھ سہی تم مگر کہاں

آپ کا
خواجہ احمد فاروقی (دہلی یونیورسٹی)

(۹)

سنبھل گیٹ مراد آباد
۱۳؍اپریل [illegible]

حضرت محترم سید صاحب		السلام علیکم

آپ کا خط ملا، دل پر چوٹ لگی، دعا کر رہا ہوں، اس وقت ملت ہندیہ بھیانک حالات میں مبتلا ہے، ہر جگہ افتراق کا عذاب آیا ہوا ہے، دارالمصنفین کے عملہ سے بہ منت کہئے کہ اس ادارہ کے بانی اور اسکے چلانے والے بزرگوں کی ۔۔۔ کے مطابق چلیں گے، اور دعا اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ کا ورد جاری رکھیں۔ حضرت مولانا زکریا صاحب کا خیال تھا کہ ہر نماز کے بعد سات مرتبہ اس کو پڑھا جائے تو بد خواہوں اور انتشار پسندوں کی پسپائی، ضرور

ہوجائے گی۔ اس کے اول و آخر ایک ایک بار درود شریف بھی پڑھ لیا کریں۔

اسلام میں مذہبی رواداری، ملی آپ کے لیے دل سے دعا نکلی، یہ بروقت آئی ہے، اس وقت ملت ہندیہ جن حالات سے دوچار ہے، اس میں یہ تریاق کا کام کرے گی، یہ ہندی اور انگریزی میں بھی تلخیص کے ساتھ شائع ہوجائے تو بہتر ہے، بابری مسجد پر آپ کی شائع ہوئی کتاب کا بھی ہندی اور انگریزی میں ترجمہ ہونے کی ضرورت ہے، اب تو دارالمصنفین میں ہندی شعبہ بھی قائم ہونا چاہیے۔ آپ مولانا عبد الملک جامعی کو مزید منور دارالمصنفین کیلئے دعائیں کرنے کو لکھیں۔ ان شاء اللہ وہاں یہ دعائیں مقبول ہونگی

دعاگو
افتخار فریدی

(۱۰)

تاج منزل پٹنہ
۱۹؍مارچ [illegible]

برادر مکرم		السلام علیکم

میں بخیر و عافیت کل رات پٹنہ پہونچا۔ ۱۳؍مارچ کی مجلس انتظامیہ کا جلسہ اور استقبالیہ کی تقریب خوب رہی، کرنل بشیر حسین زیدی اپنی کبر سنی اور جناب حکیم عبد الحمید صاحب نے اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود تشریف لاکر دارالمصنفین سے مخلصانہ وابستگی کا ثبوت دیا، شہر اعظم گڈھ کے معزز شہریوں کی طرف سے جو شاندار ایڈریس ہملوگوں کو دیا گیا، اس سے خوشی ہوئی، حضرت مولانا علی میاں مدظلہ نے اس کے جواب میں اپنی پرمغز تقریر میں جن حقیقتوں اور جذبات کا اظہار فرمایا اس سے نہ صرف کارکنان ادارہ بلکہ ہملوگوں کی بھی حوصلہ افزائی ہوئی، یقین ہے کہ علامہ شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبد السلام ندوی، مولوی مسعود علی ندوی، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کی روحیں بھی یہ دیکھ کر خوش ہوئی ہوں گی کہ دارالمصنفین کے خلاف جتنی معاندانہ کوششیں کی جا رہی ہیں یہ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے، جو لوگ امنڈتے ہوئے آبشار کو کنوئیں کے تنگ دہانے میں بند کرنے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں، ان کو اپنی سعی لاحاصل کا جتنا جلد احساس ہوجائے اچھا ہے۔ امید کہ آپ لوگ مع الخیر ہوں گے۔

والسلام
شہاب الدین دسنوی

مطبوعاتِ جدیدہ

حکمۃ القرآن : ۔ مرتبہ مولانا حافظ محمد تقی امینی، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۱۱۰ مجلد، قیمت اٹھائیس روپیے، پتہ ۔ ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی۔

مولانا محمد تقی امینی کا خاص موضوع فقہ واجتہاد ہے، جس پر انھوں نے متعدد مفید اور بلند پایہ کتابیں لکھی ہیں، اسی سلسلہ میں ان کو دینی حقائق اور قرآنی اسرار وحکم پر بھی غور وفکر کا موقع ملا ہے، اور وہ اس سے واقفیت کے لیے بھی ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں، زیر نظر کتاب میں انھوں نے قرآن مجید کے خزانہ علم وحکمت کے لعل وگہر کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں استعمال کیے گئے لفظ حکمت کی مختلف حیثیتوں سے حکیمانہ تشریح وتعبیر کی ہے۔ اور اس کی اہمیت وحقیقت اور مفہوم بیان کر کے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید اسی کی تعلیم دینے کے لیے نازل کیا گیا ہے، انھوں نے حکمت کے درجہ ومرتبہ اور اسکے ثمرات ونتائج بآسانی کر سکے بتایا ہے کہ ثمرۂ حکمت تک رسائی کے لیے انسان سماج اور کائنات کا اسی حیثیت سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے جس حیثیت سے قرآن مجید نے اس کو پیش کیا ہے، چنانچہ انھوں نے انسان، سماج اور کائنات کا مطالعہ قرآنی زاویۂ نظر سے کر کے قرآنی حکمت ومصلحت کی حقیقت بے نقاب کی ہے، اس سے قرآن مجید میں مصنف کی فہم وبصیرت اور قرآنی حقائق ودقائق اور دینی اسرار وحکم سے واقفیت کا پتہ چلتا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ قرآنی علم وحکمت کے خزانہ کو حاصل کرنے کے لیے اس میں مسلسل غوطہ زنی کی ضرورت ہے لیکن ایسے وجدانی مسئلہ کی تشریح ووضاحت نہایت دقیق اور نازک امر ہے، اس لیے مولانا کی

تشریح وتوضیح کو سمجھنے کے لیے بھی قرآنی حکمت وفلسفہ سے واقفیت بہت ضروری ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب لوگوں کی فہم سے بالاتر ہے، لیکن اہل علم اور قرآنی حکمت سے آشنا لوگوں کے لیے اس کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ مولانا اس علمی اور قرآنی خدمت کے لیے اہل علم کے شکریے کے مستحق ہیں۔

شہید کربلا : ۔ مرتبہ مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت اچھی صفحات ۲۰۰، مجلد مع گرد پوش قیمت ۱۵ روپیے پتہ مکتبہ علمیہ قاضی منزل قاضی اسٹریٹ، میرٹھ ۔ یو۔ پی

مصنف نے ۱۹۵۶ء میں رسالہ الحرم کا شہید کربلا نمبر شائع کیا تھا۔ اب اس کو کسی قدر رد وبدل اور حذف واضافہ کے بعد کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ اس میں امام حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کے واقعات کی تفصیل قلمبند کی گئی ہے، اس سلسلے میں اس دردناک واقعہ کی صحیح نوعیت واہمیت اور عظمت واضح کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ اس سے ہم کو کیا پیغام ملتا ہے۔ مصنف کے خیال میں ایثار وقربانی اور صبر واستقامت کے اس بے مثال واقعہ کو واعظوں اور مرثیہ خوانوں نے دیومالائی افسانہ بنا دیا ہے۔ شروع میں خلفائے راشدین اور حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت کے واقعات بھی پس منظر کے طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ مقدمہ میں شہادت کی حقیقت بتائی ہے اور خلفائے راشدین کے ذکر میں خلافت کا مفہوم بھی واضح کیا ہے، چاروں خلفا کے طریقہ انتخاب کا ذکر کر کے اسلام کے طریقہ انتخاب کو بھی نمایاں کیا ہے، کربلا کے واقعات کی تفصیل از اول تا آخر مناسب انداز میں پیش کی گئی ہے، گو اس سلسلہ کی بعض بحثیں بڑی نازک ہیں لیکن فاضل مصنف ان سب مراحل سے بخیر وخوبی گزرے ہیں، اور کوئی ایسی بات نہیں لکھی ہے، جو تاریخی ومذہبی حقائق کے خلاف یا کسی فرقہ وجماعت کی دلآزاری کا موجب ہو۔ آخر میں یزید کی شخصیت اور اس کی ولی عہدی

پر بھی بحث کی ہے، مصنف ایک ماہر و مشاق اہل قلم ہیں، اور تاریخ اسلام پر ان کی گہری نظر ہے، اس لیے یہ کتاب اپنے موضوع پر مفید، معیاری اور متوازن ہے۔

انتخاب مضامین علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، مرتبہ جناب اصغر عباس صاحب، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۱۰۰، قیمت ۳ روپیے ۵۰ پیسے، پتہ اترپردیش اردو اکاڈمی، ہلرا ہاوس، قیصر باغ، لکھنؤ۔

سرسید احمد خان مرحوم ملک و قوم کے بڑے محسن تھے۔ اردو زبان اور مسلمانوں پر ان کے گوناگوں احسانات ہیں، اردو نثر میں سادگی و سلاست ان ہی کی دین ہے، اور اردو میں مختصر مضمون نگاری کی ابتدا کا سہرا بھی انہی کے سر ہے، ان مقاصد اور قوم و وطن کی فلاح و ترقی نیز ملک میں نئے افکار و خیالات کی اشاعت کے لیے انھوں نے صحافت کے میدان کو بھی اپنی جولان گاہ بنایا تھا۔ اور تہذیب الاخلاق سے بھی پہلے سائنٹفک سوسائٹی کی جانب سے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ جاری کیا تھا، جس سے اب کم لوگوں کو واقفیت رہ گئی ہے، ڈاکٹر اصغر عباس نے اترپردیش اردو اکاڈمی کی فرمائش پر گزٹ کے مضامین کا یہ انتخاب شائع کر کے سرسید کے اس فراموش شدہ کارنامہ کی یاد تازہ کردی ہے، وہ ایک اچھے اہل قلم ہیں اور سرسید کی صحافت پر تحقیقی کام بھی کر چکے ہیں۔ اس انتخاب سے بھی ان کے سلیقہ اور حسن ذوق کا پتہ چلتا ہے، یہ مختصر مگر پر مغز اور سبق آموز مضامین پر مشتمل ہے، آخر میں سرسید کے وہ تعزیتی مضامین درج ہیں جو ملک و ملت کی اس دور کی مایہ ناز شخصیتوں کی وفات پر لکھے گئے تھے سرسید نے اپنے زمانہ کے بعض زندہ لوگوں کی صلاحیتوں اور کمالات کا بھی فراخدلی سے اعتراف کیا ہے، اس نوعیت کا ایک اچھا مضمون مولانا شبلی پر بھی ہے، لائق مرتب نے مقدمہ میں سرسید کے اصلاحی و قومی خدمات، سائنٹفک سوسائٹی کے مقاصد و خصوصیات اور گزٹ کے

متعلق بہت سی مفید باتیں تحریر کی ہیں، اس انتخاب کی ترتیب و اشاعت پر وہ اور اکاڈمی دونوں ستائش کے مستحق ہیں۔

الاستاذ ابو الحسن علی الحسنی الندوی کاتباً و مفکراً، مرتبہ مولوی نذر الحفیظ ندوی صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۱۲۰، قیمت تحریر نہیں، پتہ رابطۃ الادب الاسلامی، ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی گوناگوں اوصاف و کمالات کے جامع ہونے کے علاوہ ایک بڑے ادیب و انشا پرداز، اور داعی و مفکر بھی ہیں، ان کا شمار اردو اور عربی کے ممتاز ترین مصنفین میں ہوتا ہے، ان زبانوں کے علاوہ ان کی اکثر تصنیفات کے انگریزی، ہندی اور کئی دوسری زبانوں میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں، گذشتہ نصف صدی سے وہ اپنی علمی و دینی تصنیفات کے ذریعہ اسلام کی اشاعت و سربلندی اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کیلئے سرگرم عمل ہیں۔ ان کی ان تصنیفات سے انکی وسعت علم و نظر اور گہرے فکر و مطالعہ کے علاوہ ان کی انشا پردازی، ادبی شگفتگی و تازگی اور اسلوب تحریر کی دلآویزی و دلکشی وغیرہ کا پوری طرح اندازہ ہوتا ہے، زیر نظر کتاب میں ایک انشا پرداز اور مفکر کی حیثیت سے مولانا کی شخصیت کا جائزہ لیا گیا ہے، لائق مرتب نے ان کی متعدد عربی تصنیفات کے بارے میں عالم اسلام کے متعدد فضلاء و مصنفین کے آرا و تاثرات بھی نقل کیے ہیں، اور خود مولانا کی عربی تصنیفات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ اور دکھایا ہے کہ وہ کس مقصد اور جذبہ سے تحریر کی گئی ہیں۔ اور کن مباحث پر مشتمل ہیں، نیز ان میں اسلوب و طرز بیان کی کیا خوبیاں اور خصوصیات پائی جاتی ہیں، اس طرح خارجی و داخلی دونوں قسم کے شواہد پیش کر کے مولانا کو مفکر و انشا پرداز ثابت کیا ہے۔ مصنف مولانا کی شخصیت اور ادب و انشا پردازی کے ادا شناس اور عربی تحریر و تصنیف کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، اور یہ کتاب خوش سلیقگی

مرتب کی ہے۔

تمیز تحریر:- مرتبہ ڈاکٹر محمد منصور عالم، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۰۰ مجلد قیمت ۲۰ روپیے، پتے (۱) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر نئی دہلی (۲) بک امپوریم سبزی باغ، پٹنہ۔

ڈاکٹر محمد منصور عالم لکچرر شعبہ اردو و فارسی مگدھ یونیورسٹی کے پہلے مجموعہ مضامین "امعان" کا ان صفحات میں ذکر آچکا ہے، اب انھوں نے اپنی ادبی و تنقیدی تحریروں کا دوسرا مجموعہ شایع کیا ہے، اس کے شروع کے چار مضامین میں بہار کے چار ممتاز افراد کے کمالات پر بحث کی ہے، اس سلسلہ میں محمد فضل الرحمٰن اور قاضی عبدالودود کے تحقیقی کاموں کی قدر و قیمت اور سہیل عظیم آبادی کی افسانہ نگاری کی خصوصیات دکھائی ہیں، چوتھے مضمون میں علامہ سید سلیمان ندوی کی اردو شاعری کا جائزہ لیا ہے، اس میں پہلے نومبر دسمبر ۷۹ء کے معاصر میں شائع ہونے والے پروفیسر عبدالمنان کے مضمون کے اس جز کی تردید کی ہے کہ "علامہ کو ایک نکتہ سنج سخنور کی حیثیت سے دنیا میں متعارف کرانے کا فخر پہلی مرتبہ معاصر کو حاصل ہو رہا ہے۔ لیکن خود مصنف کے مقالہ کی بنا معارف کا سلیمان نمبر ہے جب کہ سید صاحب کا مجموعہ کلام بھی چھپ چکا ہے اور اس پر مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کا مفصل مقالہ بھی نکل چکا ہے، لیکن مقالہ نگار نے ان دونوں سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے، باقی مضامین کے عنوانات یہ ہیں۔ (۱) اردو شعرا کا اور اک (۲) ہلی کے تذکروں کی اردو نثر (۳) سوانح نگاری کے اصول (۴) شعرائے ریختہ کی تذکرہ نگاری کا سال آغاز (۵) اردو تذکرہ، تنقید اور نقاد، ان سب سے مصنف کی محنت و کاوش اور تحریری سلیقہ کا پتہ چلتا ہے، مگر ان کے بعض خیالات میں توازن کی کمی ہے، شعر الہند، شعر العجم، ذکر غالب اور حیات شبلی وغیرہ کے متعلق جو کچھ اظہار خیال کیا گیا ہے وہ غور و فکر پر مبنی ہونے کے بجائے دوسرے

نقادوں سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے، شعر العجم کا تذکرہ سوانحی تصنیفات میں کرنا بھی تعجب خیز ہے۔ کہیں کہیں زبان و بیان کی فروگذاشتیں بھی ہیں، مثلاً "زبان کی تاریخ علاحدہ مقالہ کا متقاضی ہے۔" (ص ۹) "تخییل بھی اس کے تابع ہوتا ہے،" (ص ۱۲۱) اور وغیرہ۔

ذکر رفتگان:- از جناب محمد ایوب واقف صاحب تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۰۸ قیمت ۴۰ روپیے پتے۔ (۱) مکتبہ جامعہ دہلی، بمبئی، علی گڑھ (۲) انجمن ترقی اردو ہند، دہلی (۳) نسیم بکڈپو، لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ۔

جناب محمد ایوب واقف ہونہار اہل قلم ہیں، انھیں لکھنے پڑھنے سے بڑی دلچسپی ہے، درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ان کا تحریری شغل بھی برابر جاری رہتا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے بیس علمی و ادبی شخصیتوں کے متعلق اپنے دلچسپ مشاہدات و تاثرات بیان کئے ہیں۔ اس سلسلے میں ان اشخاص کی سیرت و شخصیت کے مختلف خط و خال اور گوناگوں پہلوؤں کی مصوری بھی ہے اور ان کی علمی و ادبی خدمات اور سرگرمیوں کی داستان بھی بیان کی ہے۔ مصنف نے ان شخصیتوں کے مطالعہ میں معروضی نقطۂ نظر اختیار کرنے کے بجائے، صرف ان ہی گوشوں کی جانب توجہ دلائی ہے جو خود ان کے نزدیک سبق آموز اور دوسروں کے لیے مفید و مؤثر ہیں ان کے خیال میں بے لاگ حقیقت نگاری کے نام پر شخصیتوں کی جو غلیظ اور پراگندہ مرقع کشی کی جارہی ہے وہ غیر صحت مند ذہنوں کی پیدا کردہ ہے۔ اس لئے انھوں نے ان قارئین کو اس کتاب کو ہاتھ نہ لگانے کا مشورہ دیا ہے جن کو دوسروں کے عیوب کی تفصیلات سننے ہی میں لطف اور سرور حاصل ہوتا ہے، بیس اشخاص کے اس قلمی خاکے میں دار المصنفین کے مندرجہ ذیل اشخاص کا بھی ذکر ہے، مولانا مسعود علی ندوی، سید نجیب اشرف ندوی، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی، یحیٰی اعظمی، مولانا پرواز اصلاحی، اسی طرح مرزا احسان بیگ اور عبدالرزاق قریشی کا بھی ذکر ہے،

واقف صاحب اچھے نثر نویس ہیں، اب ان کی تحریر میں روانی اور دلکشی بھی آگئی ہے، یہ سب تاثراتی مضامین دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہیں۔

علمِ جمیل: از ڈاکٹر اکمل ایوبی صاحب تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت قدرے بہتر، صفحات ۱۶، قیمت تحریر نہیں، پتہ۔ اینسنو، صوفیہ کوارٹر، مینار کالونی، دودھپور علی گڑھ۔ یو۔ پی

ڈاکٹر اکمل ایوبی صدر شعبہ علوم اسلامیہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا خاص موضوع ترکی ہے۔ اور اس پر وہ وقتاً فوقتاً مضامین کے علاوہ بعض کتابیں بھی لکھ چکے ہیں، یہ کتاب بھی ترکی اور اس کے ادبیات سے ان کی دلچسپی کا نتیجہ ہے، اس کے ابتدائی چار مضامین میں اردو اور ہندوستان سے ترکی کے تعلق پر بحث کی ہے، اردو خود ترکی لفظ ہے، مصنف نے پہلے قدیم کتبات میں اس لفظ کے استعمال نقل کر کے اس کا مفہوم واضح کیا ہے، پھر اردو زبان پر ترکی زبان کے اثرات مثالوں سے دکھائے ہیں اور ترکی زبان کے مشہور اہل قلم ڈاکٹر عبد الحق حامد خان کے پانچ ڈراموں کا تجزیہ کر کے بتایا ہے کہ ان کا ماحول اور پلاٹ ہندوستان سے ماخوذ ہے، ایک مضمون میں اردو کے مشہور اہل قلم و ادیب سجاد حیدر یلدرم کی ترکی ادبیات سے دلچسپی کا ذکر ہے، اس سلسلہ میں ان کی تحریروں پر گفتگو کی ہے جو ترکی سے ترجمہ کی گئی ہیں، اس کے بعد کے مضامین میں ترکی زبان کے موجودہ اور قدیم ادب کا جائزہ لے کر دونوں کی خصوصیات ترکی زبان کے نئے رجحانات اور ترکی کے جدید قومی ادب کو فروغ دینے والوں کی کوششوں کا ذکر کیا ہے، آخری مقالہ جدید ترکی میں اسلام میں پہلے اتاترک مصطفےٰ کمال کے سیکولر نظریات کے اثر سے سیاست و مذہب میں تفریق اور دوسرے تغیرات کا تذکرہ کیا ہے، پھر بتایا ہے کہ یہ تغیرات و اثرات اب بتدریج ختم ہو رہے ہیں، اس کتاب سے ترکی زبان و ادب کے بارے میں بہت سی مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں، اور یہ ترکی زبان کی مستند کتابوں سے ماخوذ اور مصنف کی ذاتی واقفیت و مشاہدہ پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستند بھی سمجھی جا سکتی ہے موضوع کی خشکی بھی مصنف کی تحریر کی خوش سلیقگی سے ختم ہو گئی ہے۔

جلد ۱۳۷، ماہ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۸۶ء عدد ۵

مضامین

مقالات

باب التقریظ والانتقاد

واقف صاحب بڑے زود نویس ہیں، اب ان کی تحریر میں روانی اور دلکشی بھی آگئی ہے، یہ سب تاثراتی مضامین دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہیں۔

علس جمیل:- از ڈاکٹر اکمل ایوبی صاحب تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت قدرے بہتر، صفحات ۱۶ قیمت تحریر نہیں، پتہ۔ ابن سینا، صوفیہ کو ٹیڑ، مینار کالونی، دودھ پور علی گڑھ۔ یو۔ پی

ڈاکٹر اکمل ایوبی صدر شعبۂ علوم اسلامیہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا خاص موضوع ترکی ہے۔ اور اس پر وہ وقتاً فوقتاً مضامین کے علاوہ بعض کتابیں بھی لکھ چکے ہیں، یہ کتاب بھی ترکی اور اس کے ادبیات سے ان کی دلچسپی کا نتیجہ ہے، اس کے ابتدائی چار مضامین میں اردو اور ہندوستان سے ترکی کے تعلق پر بحث کی ہے، اردو خود ترکی لفظ ہے، مصنف نے پہلے قدیم کتابت میں اس لفظ کے استعمال نقل کرکے اس کا مفہوم واضح کیا ہے، پھر اردو زبان پر ترکی زبان کے اثرات مثالوں سے دکھائے ہیں اور ترکی زبان کے مشہور اہل قلم ڈاکٹر عبد الحق تار خان کے پانچ ڈراموں کا تجزیہ کرکے بتایا ہے کہ ان کا ماحول اور پلاٹ ہندوستان سے ماخوذ ہے، ایک مضمون میں اردو کے مشہور اہل قلم و ادیب سجاد حیدر یلدرم کی ترکی ادبیات سے دلچسپی کا ذکر ہے، اس سلسلہ میں ان کی تحریروں پر گفتگو کی ہے جو ترکی سے ترجمہ کی گئی ہیں، اس کے بعد کے مضامین میں ترکی زبان کے موجودہ اور قدیم ادب کا جائزہ لے کر دونوں کی خصوصیات ترکی زبان کے نئے رجحانات اور ترکی کے جدید قومی ادب کو فروغ دینے والوں کی کوششوں کا ذکر کیا ہے، آخری مقالہ جدید ترکی میں اسلام میں پہلے اتاترک مصطفےٰ کمال کے سیکولر نظریات کے اثر سے سیاست و مذہب میں تفریق اور دوسرے بڑے تغیرات کا تذکرہ کیا ہے، پھر بتایا ہے کہ یہ تغیرات و اثرات اب بتدریج ختم ہو رہے ہیں، اس کتاب سے ترکی زبان و ادب کے بارے میں بہت سی مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں، اور یہ ترکی زبان کی مستند کتابوں سے ماخوذ اور مصنف کی ذاتی واقفیت و مشاہدہ پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستند سمجھی جاسکتی ہے موضوع کی خشکی بھی مصنف کی تحریر کی خوش سلیقگی سے ختم ہوگئی ہے۔

جلد ۱۳۹، ماہ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۸۶ء عدد ۵

مضامین

مقالات

باب التقریظ والانتقاد